بسنت کیا ہے؟
مستند تاریخی شہادتوں
اور ہندو مصنفین کی تحریرات
کے عکس کے ساتھ
مفتی ابولبابہ شاہ منصور

کفار مسلمین سے مشغولِ جنگ ہیں
اور مسلمین خیر سے محوِ پتنگ ہیں

بسنت کیا ہے؟

مضامین، اداریے، مراسلے، نظمیں، عکسی حوالہ جات، رنگین تصاویر

ترتیب
مفتی ابولبابہ شاہ منصور

الفلاح کراچی
0321-5728310

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب: .... بسنت کیا ہے؟

تالیف وترتیب: .... مفتی ابولبابہ شاہ منصور

تعداد : .... گیارہ سو

طبع اول : 1424ھ-2002م

طبع ثانی: 1430ھ-2009م

ناشر: .... الفلاح کراچی

تقسیم کنندہ: ادارۃ الانوار، کراچی

مکتبہ عمرو بن العاص، اردو بازار، لاہور	مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
مکتبہ فریدیہ E-7 اسلام آباد	ممتاز کتب خانہ، پشاور
قرآن محل، کمیٹی چوک، راولپنڈی	اسلامی کتب خانہ، کراچی

اسٹاکسٹ : **مکتبة العصر**، کراچی

0322-2111134

حاصلِ مطالعہ کا جدول

مضامین:

- ..... مفتی ابولبابہ شاہ منصور
- .....مولانا مجاہد الحسینی
- ..... یاسر محمد خان
- ..... مولانا قاری منصور احمد
- ..... مولانا محمد اسلم شیخوپوری
- ..... انور غازی
- ..... ملا معاویہ حنفی
- ..... مولانا سعید حسن
- ..... مولانا عبدالغفور طاہر
- ..... جاوید چوہدری
- ..... جمال عبداللہ عثمان
- ..... عباس اطہر
- ..... رؤف سلیم
- ..... ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی

مزید:

- ..... مختلف قومی اخبارات کی خبریں
- ..... اداریے و مراسلے
- ..... نظمیں
- ..... عکسی حوالہ جات
- ..... تصاویر

فہرستِ مضامین

مولانا مجاہد الحسینی

یاسر محمد خان

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

مولانا قاری منصور احمد

اوریا مقبول جان

انور غازی

ملا معاویہ حنفی

اداریے

مراسلے

نظمیں

انتساب

نوجوان نسل کے حقیقی نمایندے

غازی علم دین شہید

کے نام

جس نے عجب انداز میں رسم وفا نبھا کر ہماری لاج رکھ لی

دوسری اشاعت کا مقدمہ

خیر کی جدوجہد

بسنت پر اس کتاب کے تیار ہونے کا لطیفہ بھی عجیب ہوا۔ بسنت کی تباہ کاریاں اور ''ہلاکستانیاں'' تو ہر سال پہلے سے بڑھ چڑھ کر سننے میں آتی رہتی تھیں اور ہلڑ بازی میں منہمک نوجوانوں کی حالت دیکھ کر دل کڑھتا رہتا تھا۔ پھر جس طرح امریکی اور دیگر ممالک کے سفیر اس میں شریک ہو ہو کر اس کو بڑھاوا دیتے اور ملٹی نیشنل کمپنیاں اس کے لیے خصوصی پیکیج جاری کر کے اس کو ہلاشیری دیتیں، پرنٹ والیکٹرونک میڈیا اداکاراؤں اور اسپورٹس وشوبز سے متعلق شخصیات کی تصاویر کھینچ کھینچ کر پُرکشش اور جاذبِ نظر بسنت کو پاکستانی قوم کی تہذیب وثقافت بناتا جارہا تھا اور پے در پے حادثات کا شکار ہماری قوم جس طرح سب کچھ بھلا کر بسنتی دیوانوں کا ہجوم بنتی جارہی تھی، اس کو دیکھ کر کون مسلمان ہوگا جس کا دل پارہ پارہ نہ ہو؟ رہی سہی کسر جناب بسنت مآب صدر۔ پاکستان نے اس وقت پوری کردی جب قوم نے دیکھا کہ اس کے بچوں کے پیٹ میں روٹی نہیں اور اس کا صدر پتنگ بازی کررہا ہے (یہ جملہ نئی نسل کے نمایندہ نوجوان عالم دین کی اس مشہور زمانہ تقریر سے اقتباس ہے جو اس نے اس جابر حکمران کے روبرو کہہ کر جرات اور حق گوئی کی روایت کا نہ صرف تسلسل قائم رکھا بلکہ علمائے دیوبند کی حق پرستی وحق گوئی کی وراثت کا وہ شاندار مظاہرہ کیا کہ معاصر تاریخ جگمگا اُٹھی) اس صورتِ حال میں ان منچلوں کا کیا جائے جو ''بسنت فوبیا'' کا شکار ہیں اور ان منصوبوں کا کیا جائے جو ''بسنت مافیا'' کی پیداوار ہیں؟ کیا مضامین لکھنے سے، وعظ ونصیحت سے یہ کام ہوجائے گا جبکہ پوری انتظامیہ اس فتنے کو پروان چڑھانے میں لگی ہوئی ہے۔ یہ سوال دل کو مضطرب رکھتا تھا۔

ان دنوں ایک کتابچہ پڑھنے کو ملا جس میں یہ نکتہ اُٹھایا گیا تھا کہ ''بسنت'' ہندوانہ تہوار ہے اور اس حوالے سے جو واقعہ ذکر کیا گیا تھا اس کا پس منظر تو اور بھی خطرناک بلکہ تباہ کن تھا کہ یہ ایک

ایسے لڑکے کی یاد میں منایا جاتا ہے جو گستاخی رسول کی پاداش میں پھانسی لٹکایا گیا تھا۔ اب ایک تو ہندوانہ تہوار، دوسرے اس کی آڑ میں گستاخ رسول کی یادگار اور پھر اسے مسلمان اس دیوانہ پن سے منائیں کہ عید و بقرعید بھی کیا مناتے ہوں گے؟ بات جتنی سنگین تھی اتنی نہ سمجھ میں آنے والی بھی تھی۔ اور چونکہ تھی بھی بہت بڑی، اس لیے کتابچہ نما پمفلٹ اس کے لیے کافی بھی نہ تھا۔ تحقیق شروع ہوئی اور جوں جوں ہم برصغیر کی تاریخ کی کتابوں سے ہندو مذہب کی کتابوں کی طرف بڑھتے گئے، حیرت کا ایک جہاں کھلتا گیا۔ اُردو، انگریزی، سندھی...... ہر زبان سے اور نثر و نظم ہر صنف سے ...... حوالے اور ثبوت ملتے گئے کہ یہ واقعتاً ہندوانہ رسم ہے اور اس کے پیچھے ایک گستاخ اور منہ پھٹ بدبخت لڑکے کی یادگیری کا عنصر واضح طور پر کارفرما ہے۔ کتابی مطالعہ کے بعد عملی مشاہدہ کے ذریعے تصدیق کا مرحلہ آیا تو لاہور جا پہنچے اور گھوڑے شاہ کے مزار سے آگے جہاں اس ہندو لڑکے کی چتا جلائی گئی تھی، وہاں سیٹھ کالورام کی تعمیر کردہ سمادھی پر جا پہنچے۔ علاقے کے پرانے معمر باسیوں سے نشست رہی۔ معلومات کا تبادلہ ہوا۔ گھوم پھر کر وہ تمام عمارات دیکھی گئیں جو اس حوالے سے ہمارے جانے کے دن تک موجود تھیں۔ ان عمارات میں سے ایک میں تو جو کالو رام کے تعمیر کردہ باغ کے وسط میں تھی، محلے کے لوگوں کی بیٹھک تھی۔ باقی میں مختلف لوگوں کا قبضہ تھا اور انہوں نے وہاں پردے لٹکا کر رہائش قائم کر رکھی تھی۔ اگر ان گلی سڑی عمارات کو میوزیم بنا کر بسنت سے ان کا تعلق کتبوں کی شکل میں جا بجا موقع بہ موقع تحریر کر دیا جائے تو وہاں آنے جانے والے یہ کتبے پڑھ کر کم از کم اس بات کو جان سکیں گے کہ بسنت کا پس منظر ہندو مذہب اور لاہوری بسنت کا پس منظر ایک گستاخِ رسول کی یادگار سے جڑتا ہے۔ ایک مرتبہ ایسے کتبے دیکھ لینے سے بہت سے لاہوریوں کو ان شاء اللہ توبہ کی توفیق اور بسنت کے نشے سے نکل آنے کی ہمت مل جائے گی۔ مسلمان جتنا بھی گیا گزرا ہو، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے حوالے سے کوئی بات...... ہرگز...... کبھی بھی...... برداشت نہیں کر سکتا۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی اور پیار سے نیز علم و تحقیق کی رُو سے اسے سمجھا دیں کہ معاملے کی حقیقت یہ ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔

لیکن یہ سنگین حقیقت جسے سن کر پہلی مرتبہ ہر شخص چونک پڑتا ہے اور پھر اسے ٹھوس شواہد نہ پیش کیے جائیں تو مبالغہ آمیز پروپیگنڈا سمجھ کرنا قابلِ اعتبار قرار دے دیتا ہے، یہ خوفناک حقیقت ایک عام قاری کو یا دیوانے ''لاہوری'' کو کس طرح سمجھائی جائے؟ کیونکر باور کرائی جائے؟ بات جتنی تعجب خیز ہو، سننے والا اتنا ہی مضبوط ثبوت چاہتا ہے۔ یہ اس کا حق ہے۔ اسے اس کا یہ حق کیسے دیا جائے؟ اور یہ حق اس تک پہنچانے کے لیے ان ثبوتوں تک کیسے پہنچا جائے؟ اس کے لیے یہ طریقہ کیا گیا ہے کہ تاریخ اور خصوصاً ہندو تاریخ کی جتنی نایاب یا عام دستیاب کتابیں ہاتھ لگی تھیں، سب کے سرورق اور متعلقہ اندرونی صفحات کا عکس کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔ تاکہ تحقیق کے شائقین اپنے قلب ونظر کی تسلی کا سامان کر سکیں۔ مؤلفین اس پر مزید کام کر سکیں۔ قارئین کے لیے بات سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کا فرض ادا کرنا ممکن ہو اور ہمارے ''لہوری بھائی'' اپنی دنیا وآخرت سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کر سکیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ بسنت کا موسم آنے سے پہلے اس کتاب کو لاہور اور اس کے مضافات میں نیز جہاں جہاں بسنت منائی جاتی ہے، عام کیا جائے۔ اس میں موجود حوالوں کا عکس بسنتی میلوں کے شرکا کو دکھا کر توبہ کی ترغیب دی جائے۔ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ وہ جب چاہے انہیں پلٹ دیتا ہے۔ اگر ہماری محنت سے کسی اُمتی کا دل پلٹ جائے اور وہ اپنے نبی کی سنتیں چھوڑ کر ایک باطل مذہب کے بے ہودہ تہوار منانے سے باز آ جائے تو جو لوگ اسے واپس لے کر آئے، اللہ تعالیٰ کو ان پر کتنا پیار آئے گا؟ اس غرض سے اس کتاب کو دعوت وتبلیغ کا ذریعہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا وسیلہ سمجھ پھیلانا چاہیے۔ خیر کی جدوجہد کو اپنی بارگاہ میں قبول کرنا اور اس میں برکت دینا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

شاہ منصور

صفر 1430ھ

پہلی اشاعت کا مقدمہ

پہلی بات

گزشتہ چند سالوں میں مغربی تہذیب اور بھارتی ثقافت کی ہمارے معاشرے پر یلغار کے نتیجے میں جو فضول اور نامعقول قسم کی رسوم ہماری ثقافت میں پیدا ہوگئیں، ان کی شدت اور وسعت نے سنجیدہ طبقے کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہولی، دیوالی تک تو خیر تھی کہ یہ کافی حد تک محدود تھیں کو قطعاً لیکن ''نیوایئر نائٹ'' اور خصوصاً ''بسنت'' نے جو غضب ڈھایا (اور اب تو ''ویلنٹائن ڈے'' نے بھی زہریلی بوٹیوں کے اس کھیت میں سے سر نکال لیا ہے) وہ بہر حال افسوسناک ہے اور ایسی ملت کو قطعاً زیب نہیں دیتا جو اقوامِ عالم کی خیر خواہی اور رہنمائی کے لئے مبعوث کی گئی ہو۔ اس صورتحال میں داعیانِ دین کو اسی درجے کی محنت کی ضرورت ہے جس حساب سے ''جاہلیتِ جدیدہ'' کی یہ نمایندہ رسوم پھیل رہی ہیں۔

گزشتہ سال بندہ نے جب بسنت کے متعلق لکھا کہ ہندوستان کا بسنت منانے میں تو ہولی دیوالی کی طرح ایک گناہ ہے، لیکن لاہور کا بسنت دو خطرناک گناہوں کا مجموعہ ہے: ہندوانہ رسم میں شمولیت اور گستاخِ رسول کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے تقیے کی آڑ میں منائے گئے میلے اور جشن میں شمولیت، تو فیصل آباد سے ایک نوجوان نے خط لکھا کہ اگر آپ اس کا ثبوت پیش کر دیں تو میں اور میرے دوست اس رسم کو ضرور چھوڑ دیں گے۔ بندہ ان ثبوتوں کو جمع کرتے کرتے کتبِ تاریخ سے ہوتا ہوا ہندو مصنفین کی تحریرات تک جا پہنچا۔ ان تمام حوالوں کے عکس جب اخبار میں دیے گئے تو قارئین کے وسیع حلقے نے اسے ایک اچھی اور مفید کاوش قرار دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگلے سال بسنت کا ہنگامہ شروع ہونے سے پہلے پہلے یہ تمام مضامین حوالہ جات کے عکس کے ساتھ شائع ہو جائیں تو بہت سے لوگوں کو بسنت کی وہ حقیقت سمجھ آ جائے گی جو پتنگ جیسی خرافات میں کھو کر رہ گئی ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ اس مشورے کی پذیرائی کا نتیجہ ہے۔ اس میں وہ تمام حوالہ جات اور تصاویر دی

گئی ہیں جن کا ذکر مضامین میں میں آیا ہے۔ ان میں سے بعض حوالے ایسے تھے جن کے حصول کے لئے قارئین سے تعاون کی درخواست کے علاوہ کراچی اور لاہور کے بعد دہلی کے کتب خانے چھاننے پڑے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے آخر کار گوہرِ مقصود ہاتھ آ ہی گیا۔ اس مجموعے میں میرے ان تمام بھائی اور قابل توقیر بزرگوں کی وقیع نگارشات بھی شامل ہیں جو''ضرب مؤمن'' میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں۔ عرق ریزی اور دل سوزی کے ساتھ لکھی گئی ان حضرات کی یہ گرانقدر تحریریں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کو تحقیقی انداز میں اجاگر کرتی ہیں۔ ان کی ترتیب اور اشاعت کے لیے جناب مولانا احمد حسن صاحب اور جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب نے دلی شوق اور لگن کے ساتھ محنت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

امید ہے کہ اس کتاب سے اس موضوع پر کام کرنے والوں کو رہنمائی ملے گی اور ہمارے ہم وطنوں خصوصاً لاہوری بھائیوں کو وہ روک مہیا ہو سکے گی جو انہیں ایسی رسم کو چھوڑنے پر آمادہ کر سکے گی جو ان سے چھڑائے نہیں چھوٹ رہی۔ یہاں شاید یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ کتاب نہیں جس میں متعلقہ مباحث کو ترتیب سے بیان کیا گیا ہو، یہ تو مختلف مواقع پر لکھے گئے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کی اصل افادیت اردو، سندھی اور انگریزی کتب کے ان صفحات کے عکس ہیں جو اس کے آخر میں موجود ہیں اور ناقابل تردید شہادتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ کہنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ بندہ نے اس مجموعہ کو غازی علم دین شہید رحمہ اللہ کے نام نامی سے منسوب کر کے اس کتاب کی قدر ووقعت بڑھانے اور لہوری (لاہوری) بھائیوں کو وہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے جس پر وہ ذرا دیر کے لیے توجہ دیں تو چند لمحوں کے لیے ضرور ٹھٹھک کر رہ جائیں گے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ توبہ ایسے ہی چند لمحوں کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔

والسلام

ابولبابہ شاہ منصور

24 ذی قعدہ 1424

17 جنوری 2003ء، بعد نمازِ مغرب

مضامین

بسنت کا معنی اور حقیقت

بسنت ہندوستانی زبان سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی ''بہار'' کے ہیں یعنی جب موسم بہار شروع ہوتا ہے تو ہندو یہ تہوار پتنگیں اڑا کر مناتے ہیں۔ فیروز اللغات اردو میں بسنت کا معنی یہ لکھا ہے:

''1۔ بہار کا موسم، موسم بہار کا ایک تہوار۔
2۔ بسنت کے موسم میں گائے جانے والے گیت۔
3۔ سری راگ کی چوتھی راگنی۔
4۔ سیتلا چیچک۔
5۔ سرسوں کے کھلے ہوئے زرد رنگ کے پھول۔''

بسنت پنچمی:۔ ہندی کا لفظ ہے۔ ہندوؤں کا ایک تہوار ہے جو ماگھ سدی پنچمی کو منایا جاتا ہے۔
بسنت پھولنا:۔ یہ محاورہ ہے، اس کا معنی ہے سرسوں کے پھولوں کا کھلنا، زردی چھانا۔
بسنت کی خبر نہیں:۔ ناتجربہ کار ہے، ناواقف ہے۔
بسنت منانا:۔ بسنت کی خوشی کرنا۔
بسنتی:۔ ہندی کا لفظ ہے، زرد، پیلا، زعفرانی۔
بسنتی پوش:۔ زرد لباس پہننے والا۔

ہندوؤں کا تہوار ملک بھر میں بلکہ دنیا بھر میں عام ہو رہا ہے۔ پاکستان میں ہندوؤں سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ کروڑوں روپے کی پتنگیں اور ڈوریں استعمال کی جاتی ہیں۔ فلمی دنیا اور مغرب زدہ عورتیں بھی اس میں خوب حصہ لیتی ہیں۔ بڑے بڑے سیاست دان اپنے دوستوں کے ہمراہ بسنت منانے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کا رخ کرتے ہیں۔ بسنت کے تہوار پر رونق میلہ بڑھانے کے لیے باقاعدہ نقل و حرکت شروع ہو جاتی ہے۔

دیوانوں کی دنیا

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

حدود کے پار:

عین اِن دنوں جبکہ ارضِ حرم جانے کی استطاعت رکھنے والے خوش نصیب مسلمان دنیا کی آلائشوں سے دامن بچا کر اپنے روٹھے ہوئے مالک ومولیٰ کو منانے اور اس کے غضب سے پناہ مانگنے میں لگے ہوئے ہیں، ہمارے ملک میں بدقسمتی سے بسنت کا جشن منانے اور رنگ جمانے کی ہوا چلی ہوئی ہے۔ دینی مدارس کی ''اصلاح'' کے لیے اربوں روپے بیرونِ ملک سے مانگنے والے ملک میں شب بھر میں نوٹوں کی گڈیاں، پتنگیں اور گڈیاں چڑھانے اور پھر انہیں کاٹنے کی خوشی منانے میں پھونک دیے گئے ہیں۔ رقص کی محفلیں سجا کر موسیقی کی تانیں اڑائی گئیں ہیں۔ سرکاری سرپرستی میں خصوصی تقریبات منعقد کی گئی ہیں جن میں غیر ملکی مہمانوں کی سہولت کے لیے انہیں ڈور، گڈیاں، پتنگیں، کھانے اور دیگر لوازمات مفت فراہم کیے گئے ہیں اس موقع پر نوجوانوں کی ٹولیاں جو اخلاق سوز حرکات کرتی ہیں اس باکمال کارکردگی کی قوم تک پہنچانے کے لیے ٹی وی نے سنسر میں چھوٹ کا دل کھول کر استعمال کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ پاکستان کو ہندوانہ زردی میں ایسا چوکھا رنگ لگایا جائے کہ کوئی شہر لاہور سے پیچھے نہ رہے تاکہ جب ''لہوریے'' حدوں کو پار کر جانے کے بعد کسی قدرتی گرفت میں آئیں تو ان کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عفو وکرم کی التجا کرنے والا بھی کوئی نہ رہے۔

اے غازی کے وارثو!

اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ ''بسنت'' نامی ہندوانہ تہوار میں جو پتنگ بازی طوفانِ بدتمیزی کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، لاہور کے ایک گستاخِ رسول بت پرست کی اختراع کردہ ایک منحوس رسم تھی۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ شہر جو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے الام کے نامور سپوتوں اور شمعِ رسالت کے جانثار پروانوں کی آخری آرام گاہ ہے، اسی شہر کے باسی آج

ایسی رسم کو اپنی پہچان بنا چکے ہیں جو ایک کھتری لونڈے کی توہین رسالت کی ناپاک جسارت اور پھر اس کی عبرت ناک موت کی یاد میں ایک متعصب ہندو سیٹھ نے شروع کروائی تھی۔ تاریخی حقائق کے مطابق 1707ء سے 1759ء کے دوران پنجاب کے گورنر زکریا خان کے دور میں سیالکوٹ کے ایک ہندو ''کھتری باغ مل'' کے بیٹے ''حقیقت رائے'' نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ کہے۔ اس جرم کی تحقیق ہوئی اور جرم ثابت ہوگیا۔ چنانچہ سزا کے طور پر اس گستاخِ رسول کو پہلے کوڑے لگائے گئے اور بعد میں ایک ستون سے باندھ کر گردن اُڑادی گئی۔ یہ 1734ء کا واقعہ ہے۔ تاریخی کتب میں ذکر ہے کہ جس دن حقیقت رائے کو سزائے موت دی گئی وہ ''بسنت پنچمی'' کا دن تھا۔ اس گستاخِ رسول کی یاد میں ہندوؤں نے لاہور کے علاقے کوٹ خواجہ سعید میں ایک سمادھی تعمیر کی۔ مؤرخین کے مطابق ایک ہندو رئیس ''کالورام'' نے اس جگہ حقیقت رائے کی یاد میں مندر تعمیر کرایا۔ باقاعدہ بسنت میلے کا آغاز کیا اور پتنگ بازی کو رواج دیا۔ ایک سکھ مؤرخ نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کالورام نے حقیقت رائے کی یاد میں بسنت میلے کا آغاز کیا تھا۔ دیکھیے ''پنجاب آخری مغل دورِ حکومت میں'' از ڈاکٹر بی ایس نجار: ص 279۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مآخذ میں کچھ سے پتا چلتا ہے کہ یہ میلہ ہندوانہ ہے اور ان میں کچھ سے معلوم ہوتا ہے کہ پتنگ بازی تو ایسی شرمناک حرکت ہے جو گستاخِ رسول کی یاد میں شروع کی گئی تھی۔ تاریخ لاہور از عبدالطیف: ص 260، نیز البیرونی کی تاریخ الہند اور فرہنگ آصفیہ میں مادہ بسنت۔

اس وقت سے پہلے:

خطرہ جس بات سے ہے وہ محض یہ نہیں کہ منچلے لاہوری اس رات بے حد اسراف کرتے ہیں، قیمتی جانیں اور املاک ضائع ہوتی ہیں۔ ہندوؤں کو ہماری تضحیک کا موقع ملتا ہے۔ غازی علم الدین شہید کی روح اپنی جنت نما قبر میں تڑپتی ہے، بلکہ اندیشہ اس چیز کا ہے کہ جس طرح لاہوری بھائی ہنسی ہنسی میں اس موج میلہ کو اپنی پہچان بناتے جارہے ہیں اور سال بسال اس میں رنگ اور ترنگ آتا جارہا ہے اور نصیحت کرنے والوں کی خیر خواہانہ فہمائش صدا بصحرا ثابت ہورہی ہیں، رفتہ

رفتہ بعینہ وہ کیفیت بنتی جا رہی ہے جس کا شکار نفس و شیطان کی ماننے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے منہ موڑنے والی اقوام ہو جایا کرتی تھیں اور لذت کوشی کا یہ خمار ان کے سر سے اس وقت تک نہ اترتا تھا جب تک سیاہ بختی ناگہانی آفت کا پیغام لے کر ان کے سر پر نہ آ پہنچتی۔ اس مرتبہ سرکاری سرپرستی میں جس اہتمام سے اسے قومی سے بڑھ کر بین الاقوامی تقریب بنائے جانے کی خبریں آئی ہیں اور سنسر میں نرمی اور آزادی کی انتہا کر دی گئی ہے، اس کے بعد علماء اور خیر خواہانِ قوم پر فرض ہو گیا ہے کہ وہ مل جل کر دل سوزی کے ساتھ اس صورتحال کا تدارک اس وقت سے پہل کرنے کی مربوط اور مضبوط کوششیں شروع کر دیں جب تفریح گاہیں غم کدے بن جاتی ہیں، ہنسی اور قہقہے چیخ و پکار میں بدل جاتے ہیں اور واپسی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

ایک خط اور اس کا جواب

محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب!

السلام علیکم

22 تا 28 فروری کے ضرب مؤمن میں آپ کا مضمون ''دیوانوں کی دنیا'' کے نام سے شاملِ اشاعت ہوا۔ مضمون کے مطالعہ سے قبل بھی مجھے ذاتی طور پر بسنت سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، لیکن بہر حال اس میں تہوار کو اتنا برا نہ جانتا تھا۔ دوست واحباب بسنت مناتے تو کبھی کبھار ان کے شور وغل میں شریک ہو جاتا، لیکن جب آپ کے مضمون میں اس تہوار کے ابتدائی حالات و واقعات پڑھے جن کی بدولت پتنگ بازی کو فروغ ملا تو بسنت کے اس تہوار سے نفرت ہوگئی۔ دوستوں کو یہ باتیں بتائیں تو مجھے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ وہ اس بات کو ماننے پر تیار نہیں کہ پتنگ بازی کا آغاز ایک گستاخِ رسول کی یاد میں ہوا لیکن بہر حال ان کی مہربانی یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ اگر میں اس بات کو ثابت کر دوں تو وہ نہ صرف بسنت منانا چھوڑ دیں گے بلکہ اس کے خلاف زبردست تحریک بھی چلائیں گے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے مضمون میں شائع شدہ مواد ناکافی ہے اور ویسے بھی نفس کو پسندیدہ کام کے حق میں انسانی ذہن کئی قسم کی تاویلیں پیش کرتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اگر میری وجہ سے کوئی راہِ راست پر آئے تو میرے لیے یہ ایک اعزاز ہے اور شاید یہی اعزاز میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔

محترم!

اس سلسلے میں مجھے آپ کی ضرورت درپیش ہے، امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔ آپ نے اپنے مضمون میں جن تاریخی کتب کے صفحات کا حوالہ دیا ہے، اگر آپ مجھے ان متعلقہ صفحات کی نقل فراہم کرسکیں تو شاید مجھے مقصد میں کامیابی نصیب ہو۔ ساتھ ساتھ اُن کتب کے

سرورق کی نقول بھی ممکن ہوں تو فراہم کردیں، یا پھر اس کے علاوہ کوئی مستند حوالہ موجود ہو تو براہِ کرم ارسال کریں۔ اس کے لیے راقم آپ کا شکر گزار ہوگا۔ امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔

(ج۔ا۔خ)

محترمی جناب......!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ ساتھیوں کے ذہن میں جو سوال پیدا ہوا یہ پچھلے دنوں ہمارے ملک کے بہت سے حلقوں میں اٹھتا رہا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کے بعض قومی سطح کے رہنماؤں حتیٰ کہ بعض نامور صحافی اور دانش وروں نے جو تحقیق اور جستجو کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے ہیں، تاریخی مآخذ سے مراجعت کی زحمت فرمائے بغیر اسے مولویوں کا پروپیگنڈا کہا۔ ان کے مطابق یہ دقیانوسی مولوی لوگوں سے ہنسنے کا بہانہ بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ تمام مسلمانوں سے خصوصاً لاہوری بھائیوں سے درخواست ہے کہ (1) منسلکہ حوالے بچشم خود ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ جاہل مولوی انہیں تفریح سے روکنا چاہتے ہیں یا ایک گستاخِ رسول کی نقالی سے روک کر عذابِ الٰہی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پہلے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ بسنت ہندوؤں کا صدیوں قدیم تہوار ہے۔ عظیم جغرافیہ دان اور سیاح البیرنی نے 1020ء میں ہندوستان کا سفر کیا، ہندو اس وقت بھی یہ تہوار مناتے تھے جسے آج کل ہمارے محققین جشنِ بہاراں قرار دے رہے ہیں۔ دوسرے سے اس کا پورا پس منظر سامنے آتا ہے اور تیسرے سے اس راز سے پردہ اٹھتا ہے کہ سارے برصغیر میں صرف لاہور ہی میں اس رسم کا طوفانی زور کیوں ہے؟ یہ تحریر ہندو مصنف کے قلم سے نکلی ہے اور اس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غازی علم دین شہید جیسے عاشقِ رسول کو جنم دینے والے شہر کے باسی آج جناب رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اگر جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والے ناپاک کھتری لونڈے کی یاد میں آسمان کو رنگ برنگا کر کے خود کو شفاعت نبوی سے کس بری طرح سے محروم کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فہم سلیم عطا فرمائے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

نت نئے تہوار، معاشرے کے خطرناک ناسور:

ایک اور خطرناک رجحان یہ چل پڑا ہے کہ مغرب سے درآمدہ بے ہنگم، مضحکہ خیز اور ہماری مذہبی روایات سے متضاد قسم کے تہوار اور دن منائے جانے لگے ہیں۔ پہلے یہ سلسلہ اپریل فول تک محدود تھا، پھر نیو ایئر نائٹ (نئے سال کا جشن) اور کرسمس کی تقریبات کی بھنبھاہٹ اس طرح سے سنائی دینے لگی۔ جیسے گندگی پر بیٹھنے والی مکھیوں کی ناگوار آواز ہوتی ہے۔ اس مرتبہ ویلنٹائن ڈے (علامتی یوم محبت) جیسی حیا سوز رسم کی شروعات ہوگئی ہیں اور مشرق کے باسی جس طرح مغرب کی غلاظتوں میں لتھڑنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ اگلے چند برسوں میں یہود و ہنود کی نقالی اتنی عام ہو جائے گی کہ قدرت کی طرف سے کسی بڑے عذاب کے بغیر نہ چھٹ سکے گی۔ عوام الناس دین داری کی ترغیب دینے والی آوازوں سے اتنی بے توجہی برت رہے ہیں اور بے دینی کی طرف اتنی شدت اور کثرت سے ان کا میلان ہو رہا ہے کہ معاملہ اب داعیانِ دین اور مبلغین و واعظین کے بس میں نہیں رہا اور ایسے وقت پھر انتظار کرنا چاہیے کسی ایسی غیبی آفت کا جو مستیوں کی لذت میں گم ہو جانے والے اور شہوت پرستی میں مدہوش لوگوں کو کان سے پکڑ کر سیدھا کر دے۔ دراصل دنیا اس وقت سچی روحانیت سے محروم ہے اور وسائل کی کثرت اور من پسند زندگی گزارنے کے باوجود انسان کی روح کو سکون نہیں مل رہا ہے، اس وجہ سے لوگ سکون کی تلاش میں ان میلوں تماشوں کا سہارا لیتے ہیں لیکن دل کا سکون اور روح کی تشفی تو رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتی ہے، اس لہو ولعب سے حاصل ہونے والی عارضی خوشی اور جھوٹی مسرت سے تسکین پانے کی کوشش کرنا خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے اور خود کو دھوکہ دینے والے جلد ہی ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی اکتا جاتے ہیں، اس وقت جو بے چینی اور بے کلی انسان پر مسلط ہوتی ہے اس کا مداوا پھر کسی کے پاس نہیں ہوتا۔

چتا کی بساند:

بسنت کے تہوار کو لے لیجیے تاریخ کے صفحات کھنگالیے تو آپ کو علم ہوگا کہ یہ آمد بہار کا جشن نہیں، ایک غلیظ ہندو کی چتا سے اٹھنے والی تعفن کی بساند ہے۔ بہار تو اور بھی شہروں میں آتی ہے اور

پاکستان میں ہی ایسے مقامات ہیں جہاں رُت بدلنے سے نشاط آور مناظر کی کثرت، اللہ کی قدرت کی یاد اور اس کی صناعی کے اعتراف کا جذبہ پیدا کرتی ہے، اس معاملے میں لاہور ملک کے شمالی علاقہ جات کا مقابلہ نہیں کرسکتا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ لاہور میں ہی اس کا اتنا زور ہے کہ اس سال پاکستان کی تاریخ کی سب سے بڑی تقریب لاہور میں منائی گئی ہے اور لوگوں کو خود فراموشی کی کیفیت میں مبتلا رکھنے کے خواہش مند ارباب اقتدار نے اسے سرکاری سرپرستی کے اعزاز سے نوازا ہے؟

بدنما سیاہ مہر:

''لہوریے'' شوقین مزاج اور میلے ٹھیلے کے دل دادہ تو ہوتے ہی ہیں، ہندوؤں کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی اس زردی میں ہاتھ رنگنا شروع کردیے۔ تقسیم ہند کے بعد سے رفتہ رفتہ اس رسم کے اصل پس منظر پر گرد بیٹھتی چلی گئی۔ اس کو ایجاد کرنے والے تو بھارت سدھار گئے لیکن ''زندہ دلانِ لاہور'' کو ایک ایسا مشغلہ ہاتھ آگیا جس میں انہوں نے طرح طرح کے اضافے کرکے اسے اپنی پہچان بنالیا ہے۔ بسنتی لباس، بسنتی پکوان اور بسنتی میلے سے ہوتے ہوئے بات اب بین الاقوامی سطح کی تقریبات پر پہنچ گئی ہے۔ اس مرتبہ کی ہنگامہ خیزیاں دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ تقریبات رسم نہیں خبط اور جنون بن گئی ہیں اور ہمارے لاہوری بھائیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ لذت کوشی جب وقتی لغزش سے بڑھ کر جنون کی حد کو پہنچ جائے اور جب لہو ولعب چند افراد کی نادانی سے بڑھ کر پوری قوم کی شناخت بن جائے اور اس سے منع کرنے والوں کی نصیحت پر کان نہ دھرا جارہا ہو تو تکوینی قانون کے تحت قدرت کے غیبی ہاتھ حرکت میں آجاتے ہیں اور جشن برپا کرنے والوں سے تعزیت کے دو بول کہنے والا بھی کوئی نہیں رہتا۔ زندہ دلی اسی قدر ہونی چاہیے جتنی کہ شریعت اجازت دے اور جو فطرت کے قوانین سے متصادم نہ ہو، ورنہ وہ زندہ دلی نہیں، مردہ ضمیری ہے جو زندہ درگوری کا سبب بن جایا کرتی ہے۔

بعض لوگ اسے خوشی کا بہانہ اور موسمِ بہار کا استقبال جیسے پرفریب نام دے کر سندِ جواز عطا کرنا چاہتے ہیں مگر متعصب اور مسلم دشمن ہندو لیڈر بال ٹھاکرے کے طنزیہ بیان نے جہاں

لاہوریوں کی غیرت کوللکارا ہے، وہیں ایسے نام نہاد دانش وروں کی باطل نوازی اور حقیقت کُشی پر بدنما سیاہ مہر لگادی ہے:

''پاکستان میں بسنت کا انعقاد ہندو مذہب کی کامیابی ہے''

مرنے والے ہمارے شہید ہیں، مسلمان ہندو ثقافت اپنا لیتے تو لاکھوں زندگیاں بچ جاتیں۔ بال ٹھاکرے (خبر کا عکس کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

اس لمحے کی تلاش

یہ پچھلے سال کی بات ہے، بندہ کو پنجاب کے کسی شہر سے ایک نوجوان کا خط موصول ہوا جس کا حوالہ سابقہ مضمون میں دیا گیا ہے۔اس میں کہا گیا تھا کہ اگر ممکن ہو تو بسنت کے تہوار کا ہندو دھرم اور تہذیب سے تعلق تاریخی حوالوں سے بیان کیا جائے۔ بندہ کے مضمون میں ایک سے زیادہ تاریخی حوالے موجود تھے لیکن اس نوجوان کی اپنے دوستوں کے ساتھ حجت ٹھہر گئی تھی کہ اگر وہ مستند ثبوت پیش کردے تو وہ ''مولویوں'' کی بات مان لیں گے ورنہ نہیں۔ بندہ کو خود بھی اندازہ تھا کہ دعوتِ دین کے اصول اور علمِ بلاغت کے قواعد کے تحت جو برائی معاشرے میں جس قدر راسخ ہو اس سے بچنے اور اسے چھوڑ دینے کی ترغیب اتنی ہی مؤثر اور بھرپور انداز میں دینی ہوگی ورنہ یہ انسانی نفسیات کے تقاضوں اور دعوتِ دین کے مسلمہ اصولوں سے انحراف ہوگا اور ہمارے لاہوری بھائی اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے شہروں کے باسی جس طرح بے خود ہوئے جارہے ہیں ان سے ہمدردی اور خیر خواہی کا حق ادا نہ ہو سکے گا لہٰذا اس نوجوان کو تمام دستیاب حوالہ جات کا عکس روانہ کردیا گیا اور چونکہ اس وقت تک بسنت اپنی زردی پیچھے چھوڑ کر گزر چکا تھا اس واسطے اخبار میں ایک دو حوالے شائع کرنے پر اکتفا کیا گیا۔اس وقت دل میں یہ مصمم ارادہ تھا کہ آیندہ سال ''بسنت فوبیا'' کے زور پکڑنے سے پہلے برادرانِ اسلام کو اس گناہِ عظیم کی حقیقت...... جو کئی کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہونے کے ساتھ غیرت دینی اور حب نبوی کے بھی منافی ہے...... سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی جائے گی۔

سال کے دوران اس موضوع سے متعلق مستند، ٹھوس اور ناقابلِ انکار حقائق کی تلاش جاری رہی جو کچھ میسر ہو سکا، مرحلہ وار صاحبِ دل قارئین کی نذر ہے۔ بسنت کا نام نہاد تہوار اگرچہ بہت سے مفاسد، گناہوں، جانی و مالی نقصانات اور ناگفتنی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے لیکن ہم اس سلسلہ وار مضمون میں اس کو ہندوانہ تہوار اور ایک گستاخِ رسول کی یادگار ثابت کرنے پر توجہ مرکوز رکھیں گے تاکہ اسے کھیل تفریح سمجھنے والے ہمارے مسلمان بھائی جان سکیں کہ وہ ہنسی

ہنسی میں کیسا وبال اپنے سر لے رہے ہیں؟ بندہ نے برادرم یاسر محمد خان صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ اس موضوع کو وقت دیں اور اپنے مخصوص انداز میں اس حقیقت کو اہلِ اسلام کے سامنے آشکارا کریں۔ موصوف نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے ''بسنت کی حقیقت'' کے عنوان سے ایک تحقیقی اور تفصیلی مضمون تحریر کیا جو بندہ کے سلسلہ وار مضامین کے بعد کتاب کی زینت بنا ہے۔ بندہ کو گزشتہ سال علم ہوا کہ بسنت پر بعض صاحبِ دل مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں کتابچے شائع کروا کر تقسیم کیے۔ اس مضمون میں ترتیب سے حوالہ جات کا عکس پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قارئین کے ہاتھ میں ایسا ثبوت ہو کہ وہ جس صاحبِ ایمان کو دکھائیں وہ ایک لمحے کے لیے چونکے ضرور...... ممکن ہے کہ یہ لمحہ قبولیت کا ہو اور اس کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔

اس موضوع کے تین حصے کیے گئے ہیں، پہلا یہ کہ بسنت خالص ہندوانہ تہوار ہے اس کو ہندوؤں نے ایجاد کیا تھا اور یہ صدیوں سے ان کی ''عید'' اور مسرت وخوشی کا دن چلا آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لاہور میں بسنت کا میلہ ایک گستاخ رسول کے قتل کے بعد اس کی سمادھی پر اسے خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اہتمام کیا گیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت تھی چنانچہ ہندو کھل کر ایسا نہ کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اس جگہ کو بسنت میلہ کا مرکزی مقام قرار دے کر اس میلے کی آڑ میں توہینِ رسالت کے مرتکب مجرم کو ہیرو کے طور پر یاد رکھنے کی کوشش کی اور ہمارے نادان بھائی ان کی دیکھا دیکھی اس ناروا عمل کا حصہ بن رہے ہیں۔ تیسرے حصے میں تاریخی حوالوں کی روشنی میں اس امر سے بحث کی جائے گی کہ مسلمانوں میں اس کا رواج کیسے ہوا؟ تو اس سلسلے میں کتاب کے آخر میں آپ دو عبارتوں کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔ پہلی عبارت مشہور سیاح، مؤرخ، ریاضی دان اور مصنف ابوریحان البیرونی کی ہے جو ان کے قلم سے آج سے ہزار سال پہلے نکلی (البیرونی نے 1019ء اور 1020ء میں ہندوستان کا سفر کیا تھا) اور دوسری 80ء کی دہائی میں لاہور کے قومی عجائب گھر کے ڈائریکٹر کی لکھی ہوئی تحقیقی کتاب سے لی گئی ہے۔

اے زندہ دلانِ لاہور

مستند اور مایہ ناز مؤرخ و ریاضی داں ابو ریحان البیرونی ہندوانہ رسوم اور تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس مہینے (یعنی بیساکھ) میں استواء ربیعی ہوتا ہے جس میں ہندو ''عید بسنت'' مناتے ہیں''۔

یہ عبارت اس محقق مؤلف کے قلم سے ہندوستان اور یہاں کے باشندوں کے حالات پر عرق ریزی سے لکھی گئی کتاب سے ماخوذ تھی۔ البیرونی نے آج سے تقریباً ہزار برس پہلے ہندوستان کا سفر کیا تھا اور یہاں کے باشندگان کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج، علوم و فنون اور مذہب و فلسفہ کے متعلق معلومات کو ہندوؤں کے مشہور پنڈتوں کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا تھا۔ اس عہد کے برصغیر کے بارے میں آپ کی تحقیقات مؤرخین کے ہاں منفرد، ممتاز اور مستند درجہ رکھتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے فکر و نظر اور تدبر و تحقیق کی یہ راہ اختیار کی کہ جن مباحث کو اپنا موضوع نظر قرار دیا انہیں خود ان کے اصل مآخذ سے حاصل کرنے کی کوشش کی، اس غرض کے لیے متعلقہ زبان سیکھی اور اس موضوع کے علماء کی صحبت اختیار کی۔ اسی وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے ہندوستان کے بارے میں آپ کی تحقیقات کو ''بے داغ'' قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ پوری عربی زبان عربی کی علمی تاریخ میں البیرونی کا مقام ایسا منفرد ہے کہ وہ بجا طور پر الفارابی اور ابن رشد کی صف میں جگہ پانے کا مستحق ہے بلکہ اس اعتبار سے ان کا کام بلند تر ہے کہ آپ ہندوستان کی زبان و معاشرت سے واقف اور یہاں کا سفر اور طویل قیام کر چکے تھے جبکہ اول الذکر دونوں حضرات اپنے اس بلند علمی کام کے باوصف جو انہوں نے یونانی علوم و فلسفہ کے حوالے سے کیا، یونانی زبان و تہذیب سے واقف نہ تھے، نہ ہی انہوں نے یونانی معاشرے کا براہِ راست مطالعہ و مشاہدہ کیا تھا۔ بات لمبی ہوگئی کہنے کی غرض یہ تھی کہ البیرونی کی یہ شہادت مستند، بے غبار اور ناقابل تردید ہے کہ بسنت کا تہوار ہندوؤں کا مخصوص تہوار ہے جو ہزاروں سال سے ان کی عید کی طور پر معروف چلا

آرہا ہے اور اس دن ان کے ہاں طرح طرح کے کھانے پکا کر برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔ اے ہمارے لاہوری بھائیو! ذرا غور کرنا بسنت کے پکوانوں سے دستر خوان سجا کر تم کس کے طریقے کو زندہ کرتے ہو؟ دوسرے حوالے پر تبصرے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ ''استعاء ربیعی'' جو البیرونی کی عبارت میں ''عید بسنت'' کے دن کی تعیین کے طور پر استعمال ہوا ہے، کسے کہتے ہیں؟ سورج سال میں دو مرتبہ خطِ استواء پر آتا ہے۔ ایک مرتبہ سردیوں کے اختتام اور بہار کے آغاز پر، اس کو ''استواء ربیعی'' کہتے ہیں۔ ربیع بمعنی بہار۔ دوسری مرتبہ گرمیوں کے اختتام اور خزاں کے آغاز پر، اسے استواء خریفی کہتے ہیں، خریف بمعنی خزں۔ پہلا استواء 21 مارچ کو اور دوسرا 20 یا 21 ستمبر کو ہوتا ہے۔

اب گزشتہ مضمون کے دوسرے حوالے کی طرف آیئے۔ عصر حاضر کا ایک تحقیق کار پنجاب کی رسموں کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''رزمیے گانے والے پیشہ ور اداکار ہولی، بسنت اور دسہرہ جیسے تہواروں پر سوانگ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر ایسے سوانگ کا مقصد کسی ہیرو کے واقعات کو پیش کر کے لوگوں میں مذہبی جذبات کو ابھارنا ہوتا ہے۔''

یہ ہیرو کون تھا؟ اور اس کا سوانگ بھرنے سے کون سے مذہبی جذبات کو ابھارنا مقصود تھا؟ یہ اسی کے بعد اگلے پیراگراف میں بتایا گیا ہے۔ اس کو پڑھنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا کہ اگر بسنت فی الواقع ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے تو جو علاقے ہندو مذہب کا گڑھ ہیں، ان کی بنسبت لاہور میں اس کا زور و شور اور دھوم کیوں ہے؟

نیز اس اقتباس کو پڑھ کر اپنی ایمانی غیرت سے پوچھیے کہ بسنت کے دن کوٹ خواجہ سعید میں گاڑے جانے والے ایک بے ادب منہ پھٹ ہندو لڑکے کی سمادھی پر جمع ہو کر ہندوؤں نے پنجاب کے لوگوں کو کیا سبق دینا چاہا تھا؟ اور ہم اس جاہلانہ اور احمقانہ رسم کو منا کر کس طرح مسخری کا سامنا بنے ہوئے ہیں؟ مصنف لکھتا ہے:

''حقیقت رائے بھی سیالکوٹ کے باغ مل کا بیٹا تھا۔ جسے بسنت پنچمی کے دن صرف بارہ برس کی عمر میں مار ڈالا گیا۔ اس کی سمادھی لاہور میں بنائی گئی تھی اور تقسیمِ ملک کے وقت وہاں ہر سال بسنت پنچمی کے موقع پر بڑا زبردست میلا لگتا تھا۔ ان تینوں سوانگوں کے ذریعے پنجاب کے لوگوں

کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ پورن بھگت کی طرح حرص و ہوا کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا چاہیے، گوپی چند کی طرح دنیا کے ناپائیدار عیش و آرام کو ٹھکرا دینا چاہیے اور حقیقت رائے کی طرح تعصب اور ناانصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جان دینا بہتر ہے۔''

(پنجاب، تمدنی و معاشرتی جائزہ، ڈاکٹر انجم رحمانی: ص 426، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب لاہور)

سمجھے اے زندہ دلانِ لاہور! اس میلے ٹھیلے کا مطلب؟ ایک گستاخِ رسول ہندو کو توہین رسالت کے الزام میں قتل کیے جانے کو ''تعصب اور ناانصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جان دینے'' کا نام دے کر گائے کے پجاری ہمیں کیا سکھانا چاہ رہے تھے؟ اور ہم بغیر سوچے سمجھے ان کی کس ''نصیحت'' کو رٹا لگا رہے ہیں؟ اگر ابھی بھی آپ نہیں سمجھے تو مزید دو حوالوں کا عکس ملاحظہ کیجیے۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ حقیقت رائے کون تھا؟ اس کو کس جرم میں قتل کیا گیا تھا؟ بسنت کے دن اس کی سمادھی پر کیے جانے والے میلے سے کیا تعلق تھا؟ اور لاہور میں ہر سال یہ زرد بخار کیوں آتا ہے اور اپنے ساتھ کیا کچھ سمیٹ کر اور پیچھے کیا کچھ چھوڑ کر جاتا ہے؟ پہلا حوالہ ایک ہندو مؤلف کا ہے جو گھر کے بھیدی کی شہادت ہے اور دوسرا انگریزوں کے دور میں لاہور پر لکھنے والے ایک مشہور مؤرخ کی شہرہ آفاق تصنیف "Lahore it's History Architecutral Remains & Antiquiteis" کے اردو ترجمے سے لیا گیا ہے۔ ان دونوں کو اپنے طور سے پڑھیے، ہم فی الحقیقت ان پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کرتے تا کہ ہلا گلا کے شوقین ہمارے ''لہورئیے'' بھائی خالی الذہن ہو کر خود کوئی فیصلہ کر سکیں۔

دیوی کا پجاری دیوتا

لاہور سے آمدہ خبروں کے مطابق ''کشتگانِ بسنت'' میں اضافے کا سلسلہ جاری ہے۔ زندہ دل ہم وطن موج میلے میں مست ہوکر پہلے آپے سے باہر ہوتے ہیں پھر انسانیت و اخلاق سے...... اور آخر کار زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جس کی محدود مہلت اور گنی چنی گھڑیاں انہیں موت کی سختی، قبر کی وحشت انگیز تنہائی اور حشر کی حواس گم کردینے والی پریشانی سے بچنے کی تیاری کے لیے دی گئی تھیں۔ خبریں گرم ہیں کہ بسنت کے عفریت نے اس سال بھی کئی کارآمد جوانیوں کی بھینٹ لی ہے، سیکڑوں کو چھت سے براہِ راست زمین پر پٹکا کہ ہاتھ پاؤں سے ناکارہ کردیا ہے، دشمن کے نرغے میں آئی ہوئی مسلم اُمہ کے نوجوانوں کو رات بھر جگائے رکھا ہے۔ پینتالیس بلین ڈالر کی مقروض قوم نے...... جس کے متعلق یہ سوالات اٹھائے جارہے ہیں کہ اس پر حج وقربانی فرض ہے یا نہیں؟...... لاکھوں کروڑوں روپے ڈوروں پر چڑھا کر پھونک دیے ہیں۔ مسلمان آبادیوں کے اوپر تنا آسمان جو کبھی ایمان کی روشنی سے منور اور ذکر وعبادت کے انوار سے سجا ہوتا تھا، اخلاقیات سے گرے ہوئے نعروں اور رنگ برنگے گڈے گڈیوں سے بھرا ہوا ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط ہے، رنگین روشنیوں کا سیلاب اور شوروغوغا کا ایسا طوفان ہے جس میں مشرق کی روایات مغرب کے ریلے میں بہے چلی جارہی ہیں۔

غضب یہ ہے کہ ان اخلاق سوز حرکات کو زندہ دلی کا نام دے دیا گیا ہے۔ کاش! کوئی صاحبِ حال مغربی ثقافت کی یلغار کا شکار ہماری قوم کو بتائے کہ زندہ دلی کس چیز کا نام ہے؟ ہم لوگ نہ تو زندگی کا مطلب سمجھتے ہیں اور نہ قلب اور لطیفۂ قلب کی حقیقت۔ دل چونکہ اعضاء باطنہ میں سے ہے اس لیے اس کی زندگی اور مردنی کے بارے میں کوں صاحب باطن ہی کچھ کہہ سکتا ہے۔ ہنسی تفریح میں حد سے گزرنے کے شائق تو خود نفس پرستی کی سیاہی سے آلودہ ہوتے ہیں ان کو

کیا خبر کہ ''دل کی دنیا'' کے احوال و کیفیات اور واردات و مقامات کیا ہوتے ہیں۔ صاحب دلوں کے بادشاہ جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: ''جو شخص عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات کو زندہ کرے گا اس دن اس کا دل مردہ نہ ہوگا جس دن دل مردہ ہوجائیں گے۔'' (طبرانی، ابن ماجہ) دل کی زندگی یہ ہے کہ اسے خیر کی توفیق ملتی رہے اور اس میں شر سے اجتناب کا حوصلہ و ہمت رہے اور اس کی موت یہ ہے کہ ہمیشہ کی زندگی میں کام آنے والے اعمال میں دل نہ لگتا ہو اور جو کام قبر کی اندھیری کھائی اور میدانِ حشر کے وحشت ناک صحرا میں حسرت و ندامت کا باعث بنیں گے ان میں بے تحاشہ مشغول رہنے کے باوجود جی نہ بھرے۔ موج میلے کے شوقین دھوم دھڑکوں میں مست رہنے والے اور ہاہو سے تسکین پانے والے تو نفس کے غلام ہوتے ہیں، وہ کیا جانیں دل پر کن چیزوں سے مردنی چھاتی ہے اور کون سی چیزیں اسے حیاتِ جاوداں بخشتی ہیں۔ بوریت سے پیچھا چھڑانے کے لیے ہلا گلا کے موقع تلاش کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر وہ تفریح کے لیے ان چیزوں کا انتخاب کریں گے جو گناہوں سے آلودہ ہوں تو پھر کسی مشکل گھڑی میں ان کا رفیق و غم گسار کون ہوگا؟ اور وہ اس وحشت ناک بوریت سے کیونکر پیچھا چھڑا سکیں گے جو قبر کی تنہائیوں میں ان پر مسلط ہوگی؟

کیا بسنت صرف ایک موسمی تہوار ہے؟

بعض مہربانانِ گرامی نے ''کمنٹس پاس'' کیے ہیں کہ ''بسنت ایک موسمی تہوار ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔'' حیرت کی بات ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آنے شروع ہوگئے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں؟ کیا اسلام منسوخ اور مسخ شدہ ادیان کی طرح کوئی جز وقتی مذہب ہے جو ہفتے کے مخصوص دن یا سال کے چند تہواروں کے ساتھ مخصوص ہے؟ کیا ہم اب اس مرحلے کو پہنچ گئے ہیں کہ اپنے آفاقی مذہب کو جامع نظریۂ حیات سمجھنے سے بھی دستبردار ہوجائیں محض اس لیے کہ خوشیوں کو نچا کر رنگ جما سکیں؟ کیا اسلام نے اپنے ماننے والوں کو شاندار اور پروقار تہوار نہیں دیے کہ اب ہمیں اڑوس پڑوس سے موسمی تہواروں کو مستعار لینے کی ضرورت پڑ گئی ہے؟

پھر اسے موسمی تہوار کہہ کر بات ٹالنے کی ادا بھی خوب ہے۔ بالفرض بغرض بحث تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ موسمی تہوار ہے لیکن یہ بات مان لینے سے معاملہ اور بھی خطرناک ہو جاتا ہے اس واسطے کہ پھر تو یہ بات پکی ٹھکی ہو جائے گی کہ یہ غیر مسلموں کا تہوار ہے کیونکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو تہوار منانے کا حکم دیا ہے ان سب کا تعلق موسمی رُت کی تبدیلی سے نہیں، کسی نیک اور با مقصد عمل سے ہے حتیٰ کہ اسلام سال کی ابتداء بھی ہجرت کے پُر مشقت عمل پر رکھی گئی ہے نہ کہ ولادتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اہم اور مقدس واقعے پر۔ اسلام عملی مذہب ہے۔ اس نے ہر لمحے انسانیت کو کسی عملِ خیر کی دعوت دی ہے اور تخلیقِ انسانیت کے اس مقصد کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنے کے لیے تمام اہم دنوں کو کسی اہم عمل کے اختتام یا آغاز سے جوڑا ہے۔ کائنات میں ہونے والی فطری تبدیلیوں، دن رات کے آنے جانے اور موسموں کی تبدیلی کے آثار پر غور وفکر کی دعوت بھی دی ہے تو اس لیے کہ اس سے انسان کے دل میں معرفت کی کونپل پھوٹ سکے اور وہ عملِ خیر کی طرف راغب ہو جائے۔ بسنت کا میلہ اگرچہ موسمی تہوار ہے مگر اس موسم میں یہ تہوار دیوی دیوتاؤں کے پجاری منایا کرتے ہیں اور لاہور میں اس کا منایا جانا تو انتہائی خطرناک پس منظر رکھتا ہے۔ اس شہر میں اس تہوار کا زور پہلے سکھوں کے عیاش حکمران رنجیت سنگھ کے ہاتھوں ہوا پھر ہندو عوام نے توہینِ رسالت کے مرتکب ایک گستاخ چھوکرے کو ہیرو کا درجہ دینے کے لیے زور وشور سے منانا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ سکھ ہٹ گئے، ہندو پیچھے رہ گئے اور رسم پرستی کا یہ جھنڈا سادہ لوح مسلمانوں نے تھام لیا۔

ممکن ہے ماڈرن طبقہ یہ بات تسلیم نہ کرے۔ ہمارے دانشور بھی ہم مولویوں کی کتابی تحقیق کو اہمیت نہ دیں، ان کے خیال میں یہ انسائیکلو پیڈیا کی سی ڈیز اور انٹرنیٹ کے ذریعے کی جانے والی ''سائنٹیفک ریسرچ'' کا دور ہے جو بات بھی ''کوڈ'' کی جائے اس کے ساتھ ''ریفرنس'' ضرور ہونا چاہیے اور ریفرنس ان حوالہ جات کا معتبر ہے جہاں تک کسی ملاّ کی پہنچ نہ ہو۔ اس مرتبہ ایسا ذہن رکھنے والے کلمہ گو بھائیوں کے لیے ہم نے انٹرنیٹ کے بعض مشاق غوطہ خور ساتھیوں کو تکلیف دی تھی۔ انہوں نے پیچ در پیچ جال سے جو کچھ نکالا وہ پیش خدمت ہے۔ رنگوں کی دنیا میں رہنے والے روشن خیال ہم وطن اس کا مطالعہ کریں اور سوچیں کہ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے والے اس تہوار کو

کیونکر مذہب سے لاتعلق قرار دیا جاسکتا ہے؟ جو حضرات انگریزی کی اصل عبارت دیکھنا چاہیں وہ ان سائٹس پر جاسکتے ہیں۔

WWW.MANIRAONNET.CCOM/BASANT-PANCHAMI.HTMAL
WWW.HINDUONNET.COM/THEHINDU/MAG/2002/03/17.STORIES
2002031700160200.HTM

ذیل میں دیا گیا ترجمہ حتیٰ الامکان تحت اللفظ ہے۔اس میں کسی قسم کا اضافہ یا قطع برید نہیں کی گئی۔ساتھ ہی کتاب کے آخر میں دو مزید کتابوں کے مندرجات کا عکس ملاحظہ فرمائیں جن میں سے ایک کو ''لاہوریات'' پر انسائیکلوپیڈیا تسلیم کیا جاتا ہے اور دوسری نئے لکھنے والوں میں سے اس طبقے سے تعلق رکھنے والے مصنف کی ہے جس کی بات ان لوگوں کے لیے بھی مسموع ہونی چاہیے جو حجرہ نشین مولویوں کی ہر بات میں شدت پسندی، خشک فکری، طبعی جمود یا اس سے ملتا جلتا کوئی پہلو نکال کر اسے رَد کر دینے کا مزاج بنا چکے ہیں۔اب آپ انٹرنیٹ سے لی گئی معلومات کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔باقی باقی۔

''بسنت پنچمی درحقیقت ایک ہندوانہ تہوار ہے جو کہ ہندو بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں۔جب کھیت میں چاروں طرف پیلے پھول لہرانے لگتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ تہوار کا وقت آ گیا ہے۔موسم بہار کا تہوار صحیح معنوں میں ہندو اپنی دیوی سرسوتی کی تعظیم میں مناتے ہیں۔جب بیر پک کر پیلے ہو جاتے ہیں، ڈھاک اور اشو کا اپنے عروج پر ہوتے ہیں تو پھر خاص طور پر طالب علم ان کے علم کی دیوی سرسوتی کو اور دوسری دیویوں یعنی ذہن کی دیوی، آزادی کی دیوی اور تمام دیوتاؤں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے لیے یہ موسم اس لیے بھی بہت اہم ہے کہ ان کے دیوتا کرشنا نے خود کہا کہ یہ پھولوں کا موسم ہے۔بسنت پنچمی چاند کی پانچویں تاریک رات، فروری کے مہینے میں منائی جاتی ہے، دراصل یہ تہوار صرف اور صرف سرسوتی دیوی کی پوجا کے لیے ہوتا ہے۔ہندوؤں کے مطابق دیوی سرسوتی کی مہربانی سے انسان خود کو پہچاننے لگا ہے بلکہ انسان تو انسان دوسرے دیوتا بھی اپنے آپ کو پہچاننے لگے ہیں۔اسی کی وجہ سے اچھی اور بری چیزوں میں پہچان ہو رہی ہے۔اس

طرح سے ہندوؤں کا ایک مذہبی تہوار بن گیا جس میں کہ چاروں طرف پھولوں کی خوشبو مہکتی ہے اور صندل کی تیز خوشبو پھیلی ہوتی ہے۔ اس مبارک موقع پر ہندو برہمن اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم کے لیے اسکول میں داخل کراتے ہیں اور ان کا جو دیوتا کرشنا ہے وہ بھی دیوی سرسوتی کی پوجا کرتا ہے (یہ بھی ہندوؤں کے مذہبی داستان طرازوں کا کمال ہے کہ دیوتا سے بھی دیویوں کی پوجا کروا کے چھوڑی۔ راقم) کیونکہ ان کے مطابق اس کی وجہ سے وہ سولہ فنون اور دوسری باتوں کا ماہر ہوا تھا حتیٰ کہ آج کل کے جدید دور میں بھی غالباً بنگال میں بچوں کی تعلیم اس دن سے شروع کرتے ہیں، کیونکہ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس دن سے تعلیم شروع کرنے سے دیوی سرسوتی کی مہربانیاں ان کے ساتھ ہوتی ہیں پچھلے عہدوں میں اس وقت کے بادشاہوں نے اس دیوی کے سلسلے میں ادبی مباحثے ترتیب دیے۔ اس میں شاعروں، ادیبوں، تمثیل نگاروں کو مبارک باد اور انعامات دیے گئے۔ اور اسی تہوار میں کالی داس (بطور تمثیل) لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔

ہندوؤں کے ہاں بسنت تہوار کا ایک تکنیکی مقصد یہ بھی ہے کہ یہ غذا اور کپڑوں کی تبدیلی کی اطلاع ہے، کیونکہ جیسے جیسے بسنت کا وقت قریب آتا ہے تو جسم میں قوت بڑھتی ہے اور خون بڑھتا ہے۔ اس میں جنسی رجحان بہت ہوتا ہے اس لیے اس وقت کھانوں میں بہت زیادہ مصالحہ جات کا استعمال نہیں ہوتا، کیونکہ اس مناسبت سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

ہندوؤں کے دھرم کے مطابق بسنت تہوار ان کے لیے بہت اہم ترین دن ہے اور اس کا منانا ان کے لیے مذہبی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تہوار زیادہ تر پنجاب اور شمالی علاقوں میں فصل کٹ جانے پر منایا جاتا ہے، اس روز لوگ زرد کپڑے پہنتے ہیں اور پیلے چاول کھاتے ہیں، بھنگڑا ناچ اس تہوار کا خاص حصہ ہے۔''

چنے کا جھاڑ

ہم زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ رائے ونڈ اجتماع میں شرکت کے لیے گئے تو ہمارے ساتھ گئے ہوئے ایک طالب علم کو اپنے چچا سے ملنا تھا۔ اس کی اطلاع کے مطابق وہ ''مبینہ طور پر'' اجتماع میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ساتھی نے ان سے ملنا بھی تھا اور دستور کے مطابق گھر سے آئے ہوئے کچھ ''سوال جواب'' تھے جو اس نے وصول کرنا تھے۔ مشکل یہ آن پڑی تھی کہ وہ بچپن سے ان کو ''ماسٹر چچا'' کہہ کر پکارتا تھا اور ان کی یہ عرفیت خاندان بھر میں اتنی مشہور تھی کہ ان کا اصل نام بڑوں کو معلوم ہو تو ہو چھوٹوں میں سے کسی کو یاد تھا نہ معلوم۔ اس واسطے وہ امیر صاحب سے اجازت لینے کے باوجود مخمصے میں تھا کہ وہ ان کے حلقے میں ان کو پوچھے گا کیونکر اور اتنے لوگوں میں نام کے بغیر ان کو کس طرح تلاش کرے گا؟ اس نے اپنی اس پریشانی کا ذکر بندہ سے کیا اور تلاش کی اس مہم میں ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ بندہ ساتھ ہو لیا لیکن اس دن ہمیں اس حلقے کے ہر بانس کے پاس جس پُرلطف شرمساری کا سامنا کرنا پڑا وہ آج تک مزہ دیتی ہے۔ اب ہمارے اس دوست کے چچا کوئی امتیاز علی تاج والے ''چچا چھکن'' تو تھے نہیں کہ خلقت خدا ان سے متعارف ہوتی۔ اس علاقے کے لوگ حیران تھے کہ یہ کیسے ''پھر یلے مستک'' (گھومے ہوئے دماغ) والا طالب علم ہے کہ اس کو اپنے چچا کا نام تک نہیں معلوم۔ ہماری سراغ رسانی کے محور محترم چچا صاحب کی لال داڑھی بھی تھی لیکن اس دن ہمیں ''عموم وخصوص مطلق'' کی وہ مثال سمجھ میں آئی جو منطق کے استاد گرامی آسانی کے لیے بتایا کرتے تھے کہ ایک شخص کسی گاؤں میں لال داڑھی والے شابڑ شاہ کو پیغام دینے گیا اور ''مرسل الیہ'' کے پورے نام وعرفیت کی جگہ لال داڑھی کی شناخت یاد کر لی۔ اب اس گاؤں میں جو بھی لال داڑھی والا ملتا وہ اسے روک کر پیغام سنانے کی کوشش کرتا اور جواب میں جھڑکیاں سنتا۔ اس لیے کہ شابڑ شاہ کی تو لال داڑھی تھی مگر ہر لال داڑھی والا شابڑ شاہ نہیں ہوتا۔

رائے ونڈ کے جم غفیر میں اس دن ہم اپنی مطلوبہ شخصیت تک کس طرح پہنچے؟ یہ الگ کہانی ہے۔

اس وقت اس واقعے کی یاد اس طرح آئی کہ بعض قارئین نے شکوہ بھیجا ہے کہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن بسنت پنچمی کی لغوی تحقیق بیان ہوئی ہے نہ اس کے صحیح تلفظ اور موقع استعمال کی وضاحت کی گئی ہے۔ گویا کہ کوئی چنے کے جھاڑ پر چڑھ گیا ہے لیکن اسے ابھی یہ نہیں معلوم کہ چنے کی بیل ہوتی ہے یا پودا؟ سو ایسے محترم حضرات کے لیے اس مرتبہ جس کتاب کا عکس منتخب کیا گیا ہے (اس سے فرہنگ آصفیہ کا عکس مراد ہے جو آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں) اس میں ''بسنت اور پنچمی'' دونوں الفاظ کی مکمل تحقیق کے ساتھ اس بات کی تاریخی سند موجود ہے کہ ہندوؤں کا یہ مذہبی میلہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کیسے رواج پا گیا؟ (یاد رکھیے! بسنت غیر مسلموں کا موسمی یا قومی تہوار نہیں کہ اس میں شرکت دنیاوی تقریبوں کی طرح کچھ ہلکا حکم رکھتی ہو بلکہ یہ ان کا مذہبی تہوار ہے۔ پچھلی قسط کا عنوان اسی بات کی طرف اشارے کے لیے منتخب کیا گیا تھا) ساتھ منسلک دوسرا حوالہ جس کتاب کا ہے اس سے لی گئی ایک عبارت کا عکس آپ پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اس کے مصنف کو تاریخ کے علاوہ آثار قدیمہ، مجسموں، سکوں اور نوادرات سے بھی دلچسپی تھی اور اپنی متجسسانہ طبیعت کی بدولت انہوں نے باریک بینی کو اپنا نصب العین بنایا اور احتیاط اور چھان بین کے بعد مبالغہ آرائی سے پاک اور مبنی بر حقیقت واقعات و حقائق بیان کیے ہیں۔ چنانچہ انگریز تحقیق کار بھی ان کی کتاب کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ''تاریخ پنجاب'' بھی ہے لیکن افسوس کہ اس میں انہوں نے اس موضوع کو نہیں چھیڑا لہٰذا اسی پہلی کتاب سے ایک دوسرے صفحے کا عکس پیش خدمت ہے یہ دونوں حوالے اس اعتبار سے جوڑی دار ہیں کہ ان میں سے پہلا ہندوستان کے مسلمانوں میں اس ہندوانہ رسم کو اپنانے اور دوسرا لاہور کے خصوصیت سے اس میلے کا مرکز اور گڑھ بن جانے کے تاریخی پس منظر سے آگاہی میں ہماری مدد کرتا ہے۔

ملک کے بعض مشہور اور نامی گرامی کالم نگار حضرات نے علماء کرام سے گزارش کی ہے کہ حضرات علماء کرام نے آج تک نیزہ بازی اور گھڑ دوڑ کے علاوہ تفریح کو حرام قرار دیا ہے۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس خطا کا بھی نتیجہ ہے۔ اگر ان کے پاس عوام کی تفریحات کے لیے کوئی پروگرام ہے تو براہِ کرم اسے سامنے لائیں تاکہ جائز تفریحات کا ناجائز رنگ دینے والوں کی حوصلہ شکنی ہو۔ اس بارے میں ہم اگلی مجلس میں کچھ عرض کریں گے۔

باخبروں کی بے خبری

پچھلی مجلس کے اختتام پر ذکر ہوا تھا، بعض نامور صحافی حضرات نے علماء کرام سے شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے آج تک نیزہ بازی اور گھڑ سواری کے علاوہ ہر تفریح کو حرام قرار دیا ہے اور آج عوام کی بے راہ روی ان کی اس خطا کا نتیجہ ہے۔ علماء کرام پر عوام کی طرف سے جو اشکالات ہوتے ہیں بندہ کا ذاتی تجربہ اور بارہا کا تجربہ ہے کہ اس کی وجہ غلط فہمی، غلط اطلاع اور غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو جانا ہوتا ہے۔ عوام کو تو بے خبری سے مغالطے میں پڑ جانے کی رعایت دینے پر آدمی مجبور ہوتا ہے لیکن پڑھے لکھے حضرات جب ایسی کوئی بات کرتے ہیں تو بہت رنج ہوتا ہے کہ باخبروں کی بے خبری سے بڑھ کر افسوسناک چیز کوئی نہیں ہوتی۔ پھر جن لوگوں کا تعلق لکھنے پڑھنے یا علم و تحقیق سے ہے اور ان کی تحریریں لاکھوں لوگوں کے ذہن، نظریات اور کردار پر اثر انداز ہوتی ہیں انہیں اس طرح کی بات کہتے وقت سو مرتبہ قلم کی اضافی سیاہی کو چھڑکنا پھر لکھنا چاہیے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کون سے کھیل کا حکم بیان کیا ہے اور جائز کے علاوہ پسندیدہ کھیلوں کی فہرست بھی دی ہے۔ ان کی پوری گنجائش نکالی جائے؟ ان حضرات نے اس موضوع پر مفصل فتاویٰ کے علاوہ مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ساتھ میں ان اصولوں کو واضح کیا ہے کہ جن کے ذریعہ ہر انسان کسی نئے کھیل کے جائز و ناجائز ہونے کو پرکھ سکتا ہے۔ برادر گرامی مولانا اسلم شیخوپوری صاحب نے اپنے مضمون میں ان اصولوں کا خلاصہ دیا ہے لہٰذا ہم صرف آخر میں اس کتاب کا سرورق کا عکس دینے پر اکتفا کریں گے جو اس موضوع پر ایک مستند اور محقق عالم کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بات دھیان میں رہے کہ اس میں لکھے ہوئے جو کھیل فی نفسہ جائز ہیں وہ خارجی عوارض مثلاً نماز، روزہ چھوڑنے، ضروری مشاغل میں حرج پڑنے، جوا، سٹہ کھیلنے یا کھیل کو مقصد بنا لینے کی وجہ سے ناجائز ہو جاتے ہیں۔

ان محترم صحافی کی دوسری گزارش تھی کہ علمائے کرام کے پاس عوام کی تفریحات کا کوئی پروگرام ہے تو سامنے لائیں تو اس سے معذرت خواہ ہیں کہ ایسے پروگرام علماء کے بس میں نہیں۔ کیا قوم رنز کے

فرضی پہاڑ کھڑے کرنے اور کروڑ ہا روپے خرچ کر کے ''مفت کی بدنامی'' مول لینے میں پہلے سرتاپا غرق نہیں کہ انہیں مزید پروگرام بنا کر دیے جائیں۔ اس وقت جبکہ عراق پر کسی بھی وقت صلیبی طیاروں کا غول حملہ آور ہوسکتا ہے اور پھر بھی لاہور کی فضا پتنگوں سے بھری ہوئی ہے، کس کا جگر ہوگا کہ تفریح کا پروگرام بنائے۔ (یہ مضمون اس وقت لکھا گیا جب امریکا عراق پر بمباری کے لیے پر تول رہا تھا)

لاہور والو! اس ہیبت ناک وقت کو نہ بھولو جو ایک مرتبہ آجاتا ہے تو ٹلتا نہیں اور تمہاری مست ملنگیاں دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ خدانخواستہ کہیں تم کسی مشکل میں نہ پڑ جاؤ۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک ہے بسنت کا تہوار، یہ صدیوں سے ہندو دھرم اور ہندوانہ ثقافت کا حصہ ہے اور ایک ہے بسنت کے موقع پر لاہور میں گاڑے گئے ایک ہندو لڑکے کی سمادھی پر (وہ جگہ جہاں ہندو مُردے کی ہڈیاں دفن کرتے ہیں۔ یہ منحوس مقام آج کل کوٹ خواجہ سعید کے قبرستان کے پاس موجود ہے۔ 60 نمبر ویگن براستہ داتا دربار، چمڑا منڈی اور اسٹیشن سے ہوتے ہوئے گوجر پورہ چوک سے گزر کر یہاں جاتی ہے۔ اس جگہ کا نام مجید پارک بھی ہے۔ اب مندر کالو رام یا حقیقت رائے کی مڑہی سے مشہور ہے) ہونے والا میلہ۔ یہ آج سے ڈھائی سو سال قبل 1747ء میں شروع ہوا۔ پھر میلوں ٹھیلوں میں ہونے والے دیگر کھیلوں کے ساتھ رفتہ رفتہ اس موسم کی مناسبت سے پتنگ بازی کے مقابلے شامل ہوگئے اور سارے شہر میں پھیل گئے۔ اچھی طرح پھر یہ فرق سمجھیے تاکہ تضاد باقی نہ رہے کہ بسنت مسلمانوں کی برصغیر میں آمد سے پہلے منائی جاتی تھی۔ مسلمانوں نے ہندوستان میں طویل عرصہ خود مختار حکومت کی لیکن اسلامی تہذیب کے احیاء اور اسلامائزیشن کی کوشش نہ کی۔ مؤرخین کی تصریح کے مطابق جن ہندوانہ تہواروں میں مغل شہزادے اور بیگمات حصہ لیتی تھیں ان میں ہولی اور دسہرہ کے ساتھ بسنت بھی شامل تھی، لیکن یہ تہوار عیش پسند خواص تک محدود تھا پھر امیر خسرو کے ذریعے عوام میں پھیلا اور پھر لاہور میں اس میلے کا زور ہندوؤں کے ایک تقیہ سے شروع ہوا جو انہوں نے بسنت کے دن ایک گستاخ لونڈے کے مرنے پر اس کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے کیا۔ گویا کہ بسنت کا تہوار ہندوؤں کی جنونیت کا مظہر ہے۔ اس فرق کی وضاحت کی خاطر اس مرتبہ مغلیہ دور پر لکھی جانے والی ایک کتاب سے عکس پیش کرتے ہیں۔ (یہ عکس آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ کر سکتے ہیں)

دُہرا نہیں تہرا گناہ

بات یہ ہو رہی تھی کہ بسنت کا پس منظر اور تاریخی حقیقت کیا ہے؟ اب تک مختلف تاریخی حوالوں کی روشنی میں آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ اس کی زردی کے نیچے کس طرح اندھیروں نے جگہ بنا رکھی ہے۔ ہندوؤں کے دھرم میں (آپ اسے ہندوانہ ثقافت اور ہندو تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں) تقریباً دو درجن کے قریب تہوار ہیں جو سال کے مختلف دنوں میں منائے جاتے ہیں۔ ہندو مصنفین نے ان تہواروں کی جغرافیائی کیفیت، مذہبی حقیقت اور تاریخی حیثیت پر بحث کی ہے اور ان کی متعدد تصانیف اس موضوع پر ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو بڑوں کے ان اختراعی تہواروں کو اپنی قوم کے لیے قابل قبول بلکہ باعث فخر ثابت کرنے کے لیے زور قلم صرف کرتے رہے ہیں۔ آج آپ ایسی ہی ایک کتاب کے صفحات کا عکس دیکھیں گے۔ یہ کتاب آج سے تقریباً سو سال پہلے چھپی تھی، بسنت پر لکھنے والے اس کے حوالے تو دیتے تھے لیکن اصل کتاب کہیں مل کر نہ دیتی تھی، کئی لائبریریاں چھاننے کے بعد اس کا اصل نسخہ ہاتھ لگ سکا ہے جس کے متعلقہ صفحات کا عکس حسب وعدہ پیش خدمت ہے۔

اب تک جن کتابوں کا ہم نے عکس دیا ہے، ان کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں:

☆ پہلی قسم میں ہندوستان کے رسم و رواج پر لکھی گئی وہ قدیم تاریخی کتابیں آئیں گی جن میں ہزار سال پہلے ہندوؤں کی خوشی اور عید کے تہواروں کا تذکرہ ہے اور ان میں سے چلے آنے والا ''بسنت'' سرفہرست ہے۔

☆ دوسری قسم میں وہ کتابیں ہیں جن سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاہور میں جو بسنت منایا جاتا ہے یہ دوسرے شہروں کی بسنت سے زیادہ خطرناک ہے اس لیے کہ یہ محض ہندوؤں کے ساتھ میل جول کا نتیجہ نہیں، ورنہ دوسرے شہروں کے مسلمان بھی جو ہندوؤں کے ساتھ رہتے تھے اس کو اتنے ہی جوش و خروش سے مناتے بلکہ یہ ہندوؤں کی ایک فریب کاری کے

تحت مسلمانوں میں رواج پا گیا ہے اور وہ یہ تھی کہ ہندو ایک گستاخ رسول لڑکے کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے مگر مسلمان سلطنت کی حدود میں ایسا نہ کر سکنے کے سبب یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کی سمادھی پر بسنت کا میلہ منانا شروع کر دیا۔ اس لڑکے کو موت کی سزا اتفاق سے بسنت پنچمی کے دن دی گئی تھی اس لیے کسی کو شبہ بھی نہ گزرا کہ ہندو اس میلے کی آڑ میں کیا کرنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ ان بد باطنوں نے مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اس تہوار کو توہین رسالت کی یادگار کے منحوس ارادے کے تحت جوش وخروش سے منانا شروع کیا بلکہ اسے اتنا فروغ دیا کہ مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ جو شخص بھی انصاف کے ساتھ تاریخ کے صفحات پڑھے گا اسے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہے گا کہ یہ محض لاہوریوں کی زندہ دلانہ تفریح نہیں بلکہ اس کے پیچھے ہندوؤں کی مکار ذہنیت کارفرما ہے۔ لاہوریات پر لکھنے والے تمام مصنفین جب لاہور کے میلوں کے تذکرے پر پہنچتے ہیں تو بلا استثناء سب کے سب خود کو یہ کہنے پر مجبور پاتے ہیں کہ اس میلہ کا مرکزی مقام ایک کھتری لونڈے کا مرگھٹ تھا جس کی راکھ ہمارے سادہ لوح مسلمان اپنے اوپر بکھیر رہے ہیں۔

اس موضوع پر کتابوں کی ایک تیسری قسم وہ ہے جس میں اس بات کا کھوج دیا گیا ہے کہ ہندوؤں کے دوسرے تہواروں کی بنسبت بسنت مسلمانوں میں کیوں زیادہ فروغ پا گیا؟ مسلمانوں پر ہندو تہذیب کے اثرات کے موضوع پر کئی تحقیقی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان میں اہل علم نے بنام گن کر بتایا ہے کہ شادی اور غموں کے موقع پر دین کی سمجھ نہ رکھنے والے مسلمان جو کچھ کرتے ہیں ان میں سے جہاں کچھ رسمیں ان کی جہالت کی پیداوار ہیں وہیں بڑی تعداد ان رسوم کی ہے جو اپنی اصل سے ہندوانہ ہیں اور مسلمان ناسمجھی میں انہیں اختیار کر کے دُہرے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں بلکہ دُہرے گناہ کا لفظ دوسری رسموں کے لیے تو درست ہے، بسنت کے لئے ''تہرے گناہ'' کا لفظ کہنا چاہیے۔

☆ ایک گناہ فضول جاہلانہ رسم کو اپنانے کا۔

☆ دوسرے دشمنِ دین وملت ہندوؤں کی نقالی کا۔

☆ تیسرے گستاخانِ رسول کی دوغلی حرکت میں ان کا ساتھ دینے کا۔

اس سلسلہ میں مزید آپ ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جو خاص اس موضوع پر (یعنی مسلمانوں پر ہندوتہذیب کا اثر) لکھی گئی ہیں اور ہولی دیوالی کی طرح بسنت کے پس منظر سے بھی پردہ اٹھاتی ہیں۔ہم نے اس موضوع پر تفصیلی بحث سے گریز کیا ہے البتہ صرف اتنا مواد قارئین کی دسترس میں پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ وہ خود بھی حق و باطل پہچان سکیں اور کوئی اس بارے میں اپنی تسلی کرنا چاہے تو اسے بھی تشفی بخش ثبوت دے سکیں تا کہ روزِ قیامت ہمارے زندہ دل برادرانِ اسلام دیگر شکووں کی طرح علماء کرام سے یہ شکوہ نہ کرسکیں کہ انہوں نے ہمیں حقیقت حال سے لاعلم اور رسوم قبیحہ کے مضمرات سے بے خبر رکھا۔

وما علینا الا البلاغ!

سوہنے محمد ﷺ کے نام

مسلمانوں کی نفسیات میں پوشیدہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لافانی جذبے پر کافی کچھ سوچا اور لکھا جا چکا ہے۔ اس عقدے کی گرہ کشائی کی مغربی مفکرین نے بہت کوشش کی ہے لیکن وحی کے علم سے محرومی کے سبب وہ اس راز کو نہیں پا سکے کہ ان کے رنگ میں پوری طرح رنگے اور دنیا داری میں بری طرح لتھڑے اس ''محمڈن'' کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سنتے ہی اچانک کیا ہو جاتا ہے کہ یہ باطنی تطہیر کے سارے مرحلے ایک جست میں پھلانگ کر کٹر بنیاد پرست ''مُسلے'' کا روپ دھار لیتا ہے۔ اور تو اور وہ لوگ جو بظاہر نام ہی کے مسلمان ہوتے ہیں وہ بھی آپے سے باہر ہو کر مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں اور اس طرح کی کوئی بات سنتے ہی ان کے اندر سے اجلا چمکتا، حب رسول سے سرشار مسلمان برآمد ہو کر اپنے پر پھیلا کر گناہوں پر سایہ کر لیتا ہے۔ میں جب مغربی مفکرین کو اس پر حیرت زدہ دیکھتا ہوں تو مجھے ان پر ہنسی اور خود پر فخر آتا ہے کہ الحمدللہ! میں بھی گنہگار مسلموں میں سے ایک فرد ہوں جس کے پاس ایسا نادر و نایاب سرمایہ ہے جو آخری دم تک اور قبر و حشر تک ہمارا سہارا ہے۔ ایسے موقع پر مجھے بخشو چاچا یاد آ جاتے ہیں۔

بخشو چاچا کی ڈیوٹی یہ ہوتی تھی کہ وہ نظر رکھیں دوپہر کو سارے بچے سوتے رہیں اور کوئی بھی دھوپ میں باہر نہ نکلے جبکہ بچوں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کس طرح چاچا کو جُل دے کر نکل جائیں اور کھیل کود کے مزے لیں یا بیر اور گوندیاں توڑ کر کھائیں۔ چاچا میں کمال یہ تھا کہ وہ نگرانی کرتے کرتے خود بھی اونگھنے لگتے اور کبھی کبھی تو باقاعدہ سو جاتے لیکن ان کو غافل سمجھ کر جیسے ہی کوئی بچہ بستر چھوڑتا یا اُٹھ کر باہر جانے کی کوشش کرتا، فوراً ان کی آنکھ کھل جاتی اور بچے کو واپس بستر میں دبکنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ ہم مدتوں یہ راز حل نہ کر پائے کہ آخر وہ کون سا الارم ہے جو سوتے اونگھتے چاچا کو بروقت خبردار کر دیتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ وہ عین وقت پر چونک کر اُٹھ جاتے ہیں اور چوری پکڑ لیتے ہیں۔ بعد میں جب خوابیات، مابعد الطبیعات اور نفسیات پر کچھ پڑھنے کا موقع ملا تو

معلوم ہوا کہ انسان کی فکر پر کوئی چیز اتنی مسلط ہو جائے کہ اس کا شعور، تحت الشعور اور لاشعور یکساں طور پر اس کی طرف ہمہ تن رہنے کا عادی ہو جائے تو اس کے لیے بیداری اور نیند برابر ہو جاتے ہیں اور اس کے لاشعور میں بجنے والی گھنٹی کو اس کا شعور بر وقت سن لیتا ہے۔

مسلمان کے تحت الشعور میں بھی کلمہ پاک کا دوسرا جز ''محمد رسول اللہ'' پڑھتے ہی ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا انس و محبت تکوینی طور پر فیڈ ہو جاتا ہے کہ اس کا ظاہر کتنا ہی گندا ہو جائے، اس کے باطن میں یہ پاکیزہ اور مبارک روشنی روح کی گہرائیوں میں اُتر کر لو دیتی رہتی ہے اور جیسے ہی اس چنگاری کو پھونک ماری جائے، یہ شعلہ جوالہ بن کر بڑھک اُٹھتی ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اس حقیقت کو بڑے خوبصورت انداز میں سمجھایا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''جب میری عمر پانچ یا چھ سال کے قریب تھی تو اس زمانے میں مجھے اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ کسی قسم کا کوئی خاص ذاتی لگاؤ نہ تھا۔ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باعث میکانکی طور پر کلمہ جانتا تھا اور دینیات کے استاد کے خوف سے نماز کی سورتیں اور دُعائیں طوطے کی طرح رَٹ رکھی تھیں۔ آبادی سے دور ایک مخبوط الحواس، مجنوں صفت، مجذوب نما شخص ویرانے میں بیٹھا رہتا تھا اور ہمہ وقت ''لا الہ الا اللہ'' کی ضربیں لگاتا رہتا تھا۔ میں اور میرا ایک ہم عمر ہندو دوست اکثر اس کے پاس جا کر اس کا منہ چڑایا کرتے اور اس کے ذکر کی نقلیں اُتارا کرتے تھے۔ میرا ہندو دوست ''لا الہ الا اللہ'' کے وزن پر مہمل، مضحکہ خیز اور کبھی کبھی فحش قافیے جوڑ کر مذاق بھی اُڑایا کرتا تھا۔ مجذوب نے ہمیں بار بار ڈانٹا کہ ہم اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ کریں لیکن ہم باز نہ آئے۔ ایک روز ہم دونوں اسی مشغلے میں مصروف تھے کہ ایک شخص ادھر سے چند نعتیہ اشعار الاپتا ہوا گزرا جس کا ایک مصرع یہ تھا ع

محمد نہ ہوتے تو دنیا نہ ہوتی

یہ مصرع سن کر میرا ہندو دوست زور زور سے ہنسنے لگا اور اس نے اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کچھ گستاخیاں بھی کیں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، لپک کر ایک پتھر اُٹھایا اور اسے گھما کر ہندو لڑکے کے منہ پر ایسے زور سے دے مارا کہ اس کے سامنے کا آدھا دانت ٹوٹ گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ اس زمانے میں شعوری طور پر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے

ساتھ یکساں بیگانگی تھی۔ پھر لاشعور کی وہ کون سی لہر تھی جو اللہ کے ساتھ مذاق پر تو خاموش رہتی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی پر آناً فاناً جوش میں آ گئی تھی؟ یوں بھی عام مشاہدہ یہی ہے کہ اگر کوئی ہمیں گالی دے تو غصہ آتا ہے۔ ہمارے ماں باپ کو گالی دے تو اور زیادہ غصہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خلاف زبانِ طعن دراز کرے تو دل کڑھتا ہے اور گالی گلوچ تک نوبت آ سکتی ہے لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدزبانی کرے تو اکثر لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے مارنے کی بازی تک لگا بیٹھتے ہیں۔ اس میں اچھے، نیم اچھے یا برے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں بلکہ تجربہ تو یہی شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جانِ عزیز کو قربان کر دیا، ظاہری طور پر نہ تو وہ علم و فضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ایک عامی مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شانِ رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے اس کی بنیاد عقیدے سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔ خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ یہ جذبہ یا جنون نہ تو کسی منظّم تحریک کی پیداوار ہے اور نہ ہی کسی خاص برین واشنگ کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس یہ تو ایک خودکار تخلیقی عمل کی طرح جنم لے کر فطرتِ انسانی کے ایسے نہاں خانوں میں پوشیدہ رہتا ہے جس کا بسا اوقات ہمیں خود بھی علم نہیں ہوتا۔ زیادہ نیک لوگوں میں عقیدتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدت پائی جاتی ہے اور نسبتاً کم نیک لوگوں میں عقیدت رسول میں شدت پائی جاتی ہے۔ عقیدت کی حدت اور شدت کا یہ وسیع و عریض ہمہ گیر پھیلاؤ یقیناً اس آیت کریمہ کی منہ بولتی تفسیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بشارت دی ہے: ''ورفعنا لک ذکرک: ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔'' (پارہ 30، سورہ الم نشرح، آیت 4) ظاہری طور پر تو اس بشارت کا مظہر وہ ذکرِ رسول ہے جو درود و سلام اور اذان اور نماز میں بار بار ہر جگہ ہر آن لازمی طور پر کیا جاتا ہے لیکن باطنی طور پر اس کا کھلا مظہر احترام رسالت کی وہ پوشیدہ حقیقت ہے جو ہر اچھے یا برے مسلمان کے لاشعور میں اسی طرح جاری و ساری رہتی ہے جس طرح کہ خون اس کی رگوں میں گردش کرتا ہے۔''

(شہاب نامہ: ص 1217)

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! ہماری رگوں میں بھی یہی خون گردش کرر رہا ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے، سوہنے محمد کے نام لیواؤں کی رگوں میں عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حرارت موجود رہے گی اور یہ جان فزا خوشبو ان کے دل و دماغ میں قیامت کی صبح تک رچی بسی رہے گی۔ میرے محمدی بھائیو! ہمیں گستاخانِ رسول کی مصنوعات کی طرح ان کی تہذیب وثقافت کی نفرت بھی دل میں بٹھانی ہوگی۔ ان کے طور طریقوں کا بھی بائیکاٹ کرنا ہوگا ورنہ روزِ قیامت سوہنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سینے کے زخم تو دکھا سکیں گے، منہ دکھانا مشکل ہوگا۔ مغربی تہذیب نے بسنت کے روپ میں ہندوانہ تہذیب کے ساتھ آمیزش کر کے ہمیں غلط سمت پر ڈال دیا ہے۔ ہے کوئی جو سوہنے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر وہ سب کچھ کر گزرے جو آج نہ ہوا تو بہت دنوں تک پھر نہ ہوگا؟

بسنت اور پتنگ بازی

مولانا مجاہد الحسینی

ایک خبر کے مطابق لاہور میں 6 اور 7 فروری کو دوروزہ بسنت فیسٹیول منانے کی تیاریاں زوروشور سے جاری ہیں۔ گزشتہ سال بھی حکومتی سرپرستی میں بسنت منایا گیا تھا، اس سال ان دنوں عیاشی ہورہی ہے جب کہ ایک اسلامی ملک عراق پر دشمن اسلام امریکا کی جانب سے قیامت خیز حملے کی تیاری ہے اور بعدازاں ایران و پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کی خبریں مل رہی ہیں۔ ''ثقافتی شو'' کے زیرعنوان یہ ''عیاشی'' اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

امت مسلمہ کی تہذیب وثقافت اور نظامِ زندگی غیر مسلموں سے قطعی مختلف ہے، اسی بنیاد پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستانیوں پر مادی وسائل و ذرائع کے باب کھول دیے اور دولت و سرمائے کی اس قدر فراوانی ہوگئی ہے کہ اصحابِ ثروت نے عیش کوشی اور سرمستی کی راہ اختیار کر کے عام لوگوں خصوصاً وسائلِ زندگی سے محروم افراد کے لیے جینا حرام کردیا ہے اور لہو ولعب اور کھیل کود کا وہ طریق کار اختیار کرلیا ہے جو انسانی جان کا دشمن، دولت و سرمائے کے ضیاع کا موجب اور نظامِ زندگی مفلوج کر دینے کا باعث ہے۔ اس سلسلے کا خطرناک کھیل پتنگ بازی ہے جو موسم بہار کی آمد آمد پر کھیلا جانے لگا ہے۔ اسلام نے کھیل کود اور اظہارِ مسرت وخوش طبعی پر کوئی قدغن یا پابندی عائد نہیں کی بلکہ اس کے لیے کچھ حدود وقیود اور ضابطے مقرر کردیے ہیں، عید اور مسرت کے سلسلے میں حضورِ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے موقع پر جب یہودیوں اور عیسائیوں کی جانب سے اظہارِ مسرت کا یوم اور ان کی تقریب دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا ایک دن ہے اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے مسرت وشادمانی کے دو دن مقرر کیے ہیں، ایک عیدالفطر اور دوسرا عیدالاضحیٰ۔

چنانچہ امت مسلمہ ان دونوں ایام پر اظہارِ مسرت وشادمانی کا خوب خوب مظاہرہ کرتی ہے

اور پوری دنیا کے مسلمان ان دنوں میں کسی قسم کے غل غپاڑے اور بدتہذیبی کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق نہایت شائستگی کے ساتھ ایام عید و مسرت مناتے ہیں۔ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے اور دعائیں کرتے ہیں لیکن یہ انتہائی افسوسناک صورت ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہندوؤں اور غیر مسلموں کا کھیل ''پتنگ بازی'' اب حکومتی تائید و حمایت اور اس کے ذریعۂ ابلاغ کی ترغیب کے ساتھ تہذیب و شرافت کی حدود و قیود سے تجاوز کی صورت میں منایا جانے لگا ہے اور نوبت بایں جا رسید کہ ہر سال سیکڑوں معصوم بچے اور جوان پتنگ بازی کے دوران اور اس کے ثمرات (پتنگ) لوٹتے ہوئے مکانوں کی چھتوں سے گر کر بجلی کے تاروں میں الجھ کر اور تانبے کے تاروں سے پتنگ بازی کرتے ہوئے موت کی وادی میں چلے جاتے ہیں۔ اس کھیل کے باعث بجلی کی سپلائی بند ہو جاتی ہے اور کئی کئی گھنٹے تک علاقے تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں۔ اسپتالوں میں بجلی کی سپلائی نہ رہنے پر آپریشن تھیٹر میں کئی مریض ادھورے آپریشن کی صورت میں دم توڑ جاتے ہیں، غرض یہ کہ کھیل نہ تو صحت افزائی کا موجب ہے نہ اس کے مادی فوائد ہیں، جس کھیل میں معصوم بچوں اور جوانوں کی اچانک موت کے باعث بے شمار ماؤں کے جگر گوشوں کی میتیں ان کے سامنے آ جائیں، جن بوڑھوں کے جوان سہارے آناً فاناً ٹوٹ جائیں ان پر جو گزرتی ہے وہی جانتے ہیں۔

بعض ''اعلیٰ'' حلقوں سے بھی یہ آواز سننے میں آئی ہے کہ موسمِ بہار کی آمد پر اظہارِ مسرت کی آزادی ہونی چاہیے، اگر موسمِ بہار کی آمد کے موقع پر مسلمانوں کا اپنا کوئی انداز اور کھیل نہیں ہے اور ہندوؤں کا ہی کھیل اپنانا ضروری ہے تو ہولی کا تہوار ہے، اس میں صرف ایک دوسرے پر ''رنگ افشانی'' ہوتی ہے۔ ملبوسات پر رنگ پھینک کر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے، اس میں جانوں کا نہیں صرف کپڑوں کا ضیاع اور نقصان ہوتا ہے، مادی اعتبار سے یہ کھیل پتنگ بازی سے ارزاں ہے، پتنگ بازی کے حامی سرکاری حلقوں کو اس سستے کھیل کی افادیت کی جانب بھی توجہ دینے کی راہ نکالنی چاہیے کیونکہ دوقومی نظریہ پروان چڑھانے کی اب یہی صورت رہ گئی ہے۔

ٹوٹی پتنگ اور کار کی ڈگی:

پتنگ بازی کی بات چل نکلی ہے تو اس سے متعلق مبنی بر صداقت تازہ لطیفہ بھی سن لیجئے: ایک بڑے سرکاری افسر نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ نئے ملی وقومی کھیل ''پتنگ بازی'' کے دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ باہر ایک کروڑ پتی نے اپنی ٹویوٹا کرولائی ماڈل کی کار سے ابھی قدم باہر رکھا ہی تھا کہ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی پتنگ آ کر گری، اس نے وہ اٹھائی اور اپنی نئی نویلی کار کی ڈگی میں رکھ لی۔

سرکاری افسر کی بات سن کر میں نے کہا بھائی: جس شخص کی نشو ونما کرپشن اور لوٹ مار کے ماحول میں ہوئی ہو وہ روپے دو روپے کی ٹوٹی پتنگ لوٹنے میں ایک چاشنی محسوس کرتا ہے، لوٹ کھسوٹ اب اس کی گھٹی میں رچ بس گئی ہے، کیا آپ روز نہیں دیکھتے کہ گنے سے لدے ٹرکوں اور ٹرالیوں کے پیچھے کس طرح لڑکے اور نوجوان دوڑ دوڑ کر گنا کھینچنے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حتیٰ کہ ساٹھ ستر ہزار روپے کے نئے موٹر سائیکل سوار بھی گنا لوٹنے کی کوشش کو ثواب سے بھی افضل سمجھتے ہیں، لوٹ کھسوٹ تو اب ہمارا قومی شعار اور ملی پہچان کا درجہ اختیار کر گئی ہے، کوئی ہے جو شمار کر کے بتائے کہ گنے سے لدے ہوئے تیز رفتار ٹرک یا ٹرالی سے ایک گنا کھینچ کر لوٹنے اور دو روپے اور پانچ روپے کی کٹی پتنگ لوٹنے یا پتنگ کی ڈور سے سائیکل سوار لڑکوں، موٹر سائیکل نوجوانوں کی شہ رگ کٹنے کے حادثات میں کتنے لقمۂ اجل بن گئے اور کتنے گھر کے چراغ گُل ہوئے ہیں؟

یہ سرمایہ اور فائرنگ کی یہ گولیاں:

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کروڑوں روپے پتنگ بازی، آتش بازی اور ہوائی فائرنگ پر ٹھیک ان دنوں ضائع ہو رہے ہیں جبکہ اسی پاک وطن کے بہت سے لوگ بھوک اور وسائل زندگی سے محرومی سے تنگ آ کر خودکشیوں اور خودسوزیوں کی دہشت ناک ہلاکتوں کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہیں جبکہ غیر مسلم ممالک میں فرزندانِ اسلام کو چن چن کر گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، مسلمانوں کی آبادیاں کھنڈروں میں تبدیل کی جا رہی ہیں، مسلمان عورتوں کی اجتماعی آبرو ریزی، فرزندانِ اسلام کی نسل کشی اور قتل غارت گری کا الاؤ ہر شے بھسم کر رہا ہے، ننھے ننھے معصوم

یتیم بچے گلیوں اور سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کی ہچکیاں لے رہے ہیں۔

پتنگ بازی میں کروڑوں روپے فضا میں بکھیر دینے والو! لاکھوں گولیاں فضا میں ضائع کر کے جشن بہاراں منانے والو! یہ کشمیر، بھارت، فلسطین اور افغانستان کے مظلوم مسلمان تمہارے ہی دینی اسلامی بھائی ہیں۔ اس کروڑوں کے سرمائے سے تم اپنے ملک کے غریبوں اور مسکینوں کی مالی مدد کر کے انہیں خودکشیوں اور خودسوزیوں کی ہلاکت خیزیوں سے نجات دلا سکتے ہو، کشمیر اور فلسطین کے مظلوموں کے دکھوں کا مداوا کر سکتے ہو۔ یہ دولت اور سرمایہ اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے جو قیام پاکستان کے بعد تمہارے خالی ہاتھوں میں دی گئی تھی، تم اگر شیطانی کاموں میں ضائع کرنے سے باز نہ آئے تو رزق اور مادی اسباب کے دروازے کھول کر دولت و سرمائے کی فراوانی دینے والا یہ دروازہ بند بھی کر سکتا ہے ع

ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

بسنت کی حقیقت: آغاز سے انجام تک

یاسر محمد خان

بابر ہندوستان پہنچا تو اس نے مقامی لوگوں کو عجیب تہوار مناتے دیکھا۔اس نے دیکھا لوگ بہار کے پہلے ہفتے پیلے رنگ کے کپڑے پہنتے، ڈھول بجاتے اور ناچتے ہیں۔ بابر یہ تہوار دیکھ کر حیران رہ گیا، اس نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا مقامی لوگ اسے استقبالِ بہار کا تہوار کہتے ہیں۔ مقامی زبان میں اس تہوار کا نام ''بسنت'' تھا۔ بابر نے اس تہوار کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ آنے والے دنوں میں مغل شہزادیاں بھی یہ تہوار مناتی رہیں۔

بسنت کا آغاز:

بسنت کا آغاز ہندوستان کے دو صوبوں میں ہوا، اُتر پردیش اور پنجاب۔ مؤرخین یہ طے نہیں کر سکے کہ بسنت پہلے اُتر پردیش میں منائی گئی یا پھر پنجاب میں۔ تاہم پیلے رنگ کی مناسبت سے قرین قیاس اس تہوار کی جائے پیدائش پنجاب ہے۔ یہ تہوار جس وقت منایا جاتا تھا وہ سرسوں پھولنے کا موسم ہوتا تھا۔ پنجاب کے کھیتوں میں سرسوں کے پھول لہلہا رہے ہوتے تھے، سرسوں کے پھول پیلے رنگ کے ہوتے ہیں، تہوار منانے والے بھی کیونکہ پیلے رنگ کے کپڑے پہنتے تھے لہٰذا مؤرخین کا خیال ہے اس تہوار کا سرسوں سے گہرا تعلق ہے۔ سرسوں کا پھول موسم بہار کی آمد کا اعلان ہوتا ہے۔ پنجاب کے لوگوں کا سرسوں سے گہرا تعلق ہے۔ پنجاب کے لوگ سرسوں پھولتے ہی اپنے مال مویشی باڑوں سے نکال کر صحنوں میں باندھنا شروع کر دیتے ہیں، بھاری لحافوں کی جگہ ہلکی رضائیاں اور گرم چادروں کی جگہ بغیر بازوؤں کے سوئٹر لے لیتے ہیں۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے بسنت سردی کے اختتام اور موسمِ بہار کی آمد کا تہوار ہے، وہ اس ضمن میں ہندی کی ایک ضرب المثل بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ''بسنت، پالا اڑنت'' یعنی بسنت آئی اور سردی اُڑ گئی۔ یہ تہوار پنجاب سے اُتر پردیش کیسے پہنچا اور اُتر پردیش سے پھر آگے ہندوستان کے

باقی حصوں تک اس کی رسائی کیسے ہوئی ؟ اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔شاید اس کی بڑی وجہ یہ ہو کہ یہ تہوار ہندوستان میں کبھی قومی تقریب کی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ یہ سچ ہے یہ ہر دور میں منایا جاتا رہا، لیکن ملک گیر سطح پر کبھی اسے پذیرائی حاصل نہ ہو سکی، اس لیے آج تک کسی نے پوری سنجیدگی سے اس کی جڑوں، اس کی اوریجن کے بارے میں تحقیق نہیں کی لیکن یہ بات طے ہے کہ ہندوستان میں اشوک کا دور ہو، بابر یا بہادر شاہ ظفر کا عہد، بسنت ہر دور میں کم اہم اور غیر مقبول تہوار رہا ہے۔شروع شروع میں اسے پنجاب کے کسان، اُتر پردیش کے دہقان اور مدراس کے غریب ہاری مناتے تھے۔مغلوں نے اس کی سرپرستی شروع کی تو یہ امراء کے محلات سے باہر نہ نکل سکا۔

بسنت مذہبی تہوار کیسے بنا؟

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے نے بسنت کو تاریخ میں پہلی بار ثقافتی سے مذہبی تہوار میں تبدیل کر دیا۔اورنگزیب کے دور میں حقیقت رائے نام کے ایک لڑکے نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملہ کیا۔مسلمانوں نے اسے مغلظات بکتے ہوئے پکڑ لیا، ملزم کو عدالت میں پیش کیا گیا، قاضی نے جرم ثابت ہونے پر حقیقت رائے کو سزائے موت سنا دی۔حقیقت رائے پھانسی کی سزا پا کر ہندوؤں کا مذہبی ہیرو بن گیا، جس دن حقیقت رائے کو پھانسی دی گئی ہندوؤں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہنے، حقیقت رائے کی لاش اٹھائی اور گاتے بجاتے اسے شمشان گھاٹ تک لے گئے۔مسلمانوں نے اسے توہین آمیز قرار دیا لیکن ہندوؤں نے پیلے کپڑوں اور رقص و سرور کو بسنت کہہ کر جان بچائی، اگلے سال ہندوؤں نے حقیقت رائے کی برسی منائی اور اس برسی پر پیلے کپڑے پہن کر اور ناچ گا کر حقیقت رائے سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار کیا۔بعض مورخین کا خیال ہے بسنت کے تہوار پر پہلی پتنگ بھی حقیقت رائے کی سمادھی پر ہی اڑائی گئی تھی۔

پتنگ بازی کی تاریخ:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندوستان میں اس سے پہلے پتنگ موجود تھی؟ کیا بسنت کے

تہوار پر پتنگ بازی بھی ہوتی تھی؟ جہاں تک پتنگ کے وجود کا سوال ہے، ہندوستان میں پتنگ بازی کا فن صدیوں سے موجود تھا۔ پتنگ کی ایجاد کا سہرا دو قوم لیتی ہیں چینی اور مصری۔ چینیوں کا دعویٰ ہے پہلی پتنگ 400 سال قبلِ مسیح میں چین میں بنائی اور اڑائی گئی، اس کے بعد چین کی اشرافیہ اپنے اکثر تہواروں اور تقریبات میں پتنگیں اڑاتی تھی۔ شاہی خاندان پتنگ سازوں کی باقاعدہ حوصلہ افزائی کرتا تھا، اس دور میں پتنگ سازی کے ماہرین کو دربار میں عہدہ دیا جاتا تھا۔ چینیوں کے برعکس مصریوں کا دعویٰ ہے کہ پتنگ سازی فراعین کے دور میں موجود تھی، اس ضمن میں وہ اہراموں سے برآمد ہونے والی تصاویر اور بت بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ان تصاویر میں فرعون کو پتنگیں اڑاتے دکھایا گیا تھا۔ مصریوں کا کہنا تھا یہ فن مصری جہازرانوں یا تاجروں کے ذریعے چین پہنچا، چینی بادشاہوں نے اسے شرفِ قبولیت بخشا اور یوں پتنگیں چین میں رائج ہوگئیں۔ مصر میں چونکہ پتنگ بازی صرف شاہی خاندان تک محدود تھی لہٰذا اسے شاہی کھیل سمجھا جاتا تھا اور عام آدمی کو یہ کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں تھی، چنانچہ وہاں یہ کھیل کُھل کر سامنے نہ آسکا جبکہ چین میں بادشاہوں نے اسے عام کر دیا۔ یوں پتنگ چینیوں کی ایجاد محسوس ہونے لگی، اگر ہم مصریوں کے دلائل تسلیم کرلیں تو پھر پتنگ بازی کی تاریخ 5 ہزار سال قبل مسیح ہے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ پتنگ چین سے ہوکر ہی برصغیر اور پھر یورپ پہنچی، برصغیر میں پتنگ بازی، پتنگ سازی اور پتنگ کو بطور صنعت قائم کرنے کا اعزاز بودھ مت کے پیروکاروں کو حاصل ہے۔

بودھ بھکشو پہلی پتنگ ہندوستان لے کر آئے، ہندوستان کے باسیوں کے لیے یہ ایک بالکل نئی اور حیران کن چیز تھی، لہٰذا یہ بڑی تیزی سے پورے ہندوستان میں رائج ہوگئی، ہندو راجوں اور مہاراجوں نے اس کی پذیرائی کی۔ اپنی نگرانی میں پتنگیں تیار کرائیں، پتنگیں اڑانے کے لیے ٹیمیں بنائیں اور پھر عوام کو یہ "میچ" دیکھنے کی دعوت دی۔

موسمی کھیل:

شروع شروع میں پتنگیں ہر موسم میں اڑائی جاتی تھیں لیکن پھر تجربے سے معلوم ہوا یہ بھی ایک موسمی کھیل ہے۔ یہ کھیل موسم سرما میں ہوا کی کمی، برسات میں ہوا میں موجود نمی اور موسم گرما

میں تیز دھوپ اور آندھی اور طوفان کے باعث نہیں کھیلا جا سکتا۔ اس کے لیے مناسب ترین موسم بہار ہے، اس موسم میں کیونکہ ہوا میں نہ تو حد سے زیادہ نمی ہوتی ہے اور نہ ہی تیزی، یہ کھیل کھیلنے والے بھی موسم کی شدت سے بڑی حد تک محفوظ رہتے ہیں۔ چنانچہ پتنگ بازی بھی موسم بہار میں شروع ہوگئی۔ اب بہار میں کھیل ہونے لگے ایک بسنت اور دوسری پتنگ بازی۔ گویہ دونوں کھیل بہار میں کھیلے جاتے تھے لیکن ایک طویل عرصے تک الگ الگ رہے، پھر حقیقت رائے کا معاملہ ہوا اور تاریخ میں پہلی بار بسنت اور پتنگ ایک ہی شخص کی سمادھی پر منائی گئی اور شخص بھی وہ جس نے گستاخی رسول میں موت کی سزا پائی تھی۔

بسنت اور حضرت امیر خسرو

بسنت کی تاریخ میں ایک اور مسلم شخصیت کا نام بھی آتا ہے وہ تھے ''حضرت امیر خسرو'' وہ تیرہویں صدی میں بہار کے پہلے ہفتے پیلا چوغا پہنتے اور گاتے تھے۔ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس کے بارے میں کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملتی، بعض مؤرخین کا خیال ہے، یہ بھی ان کی ایک مجذوبانہ ادا تھی، وہ اس ادا کے ذریعے اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا مزید قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن یہ بسنت وہ بسنت نہیں تھی جو ہندو مناتے تھے اور نہ ہی اس بسنت میں پتنگ بازی شامل تھی۔

بسنت کے ''کھاتے'' میں شاہ حسین کا نام بھی آتا ہے۔ شاہ حسین ایک ہندو لڑکے مادھو لعل کو بہت عزیز رکھتے تھے، مادھو لعل کو پتنگیں اڑانے کا بہت شوق تھا، شاہ حسین اس کا شوق پورا کرنے کا اہتمام کرتے تھے، ان کا انتقال ہوا اور ان کا مزار مادھو لعل حسین کہلایا تو ان کے زائرین نے ہر سال ان کے مزار پر دو تہوار منانے شروع کر دیے، ایک تہوار کو میلہ چراغاں کا نام دیا گیا اور دوسرے کو بسنت کہا گیا۔ میلہ چراغاں میں مزار اور اس کے گردونواح میں چراغ جلائے جاتے اور بسنت کے دن ڈھول پیٹے اور پتنگیں اڑائی جاتی تھیں۔ درحقیقت اس دور میں بسنت کا تہوار بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا تھا لیکن یہ بھی سچ ہی تھا کہ یہ تہوار صرف مادھو لعل حسین کے مزار اور میلے تک محدود تھا۔

قومی تہوار اور اس کی تقسیم:

بسنت کو اصل پذیرائی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں حاصل ہوئی، مہاراجہ نے اسے قومی تہوار کا درجہ دیا، بسنت کے دن لاہور کے شاہی قلعے سے بسنت کا ایک شاندار جلوس نکلتا، جلوس کے شرکاء نے پیلے چوغے اور پیلی پگڑیاں پہن رکھی ہوتیں، وہ ڈھول اور شہنائی کی آواز پر ناچ رہے ہوتے۔ مہاراجہ اس جلوس کی قیادت کر رہا ہوتا، یہ جلوس اس شان سے شاہی باغ پہنچتا کہ سارے راستے رعایا پیلے

کپڑے پہن کر دونوں اطراف کھڑے ہوتے، جلوس پر گل پاشی کر رہے ہوتے اور مہاراجہ کے حق میں نعرے لگا رہے ہوتے، شاہی باغ پہنچ کر پتنگ بازی کا مقابلہ ہوتا، گو اس دور میں اس تہوار کو سرکاری حیثیت حاصل تھی لیکن اس عہد میں بھی پتنگ بازی صرف شالیمار باغ تک محدود تھی، راجہ رنجیت سنگھ کے بعد یہ تہوار عوامی ہو گیا۔

عوامی دور کا یہ تہوار تین حصوں میں تقسیم ہو گیا، سکھوں کی بسنت، مسلمانوں کی بسنت اور ہندوؤں کی بسنت۔ سکھ اپنی بسنت گردوارہ منکت سنگھ، ہندو حقیقت رائے کی سمادھی اور مسلمان مادھو لعل حسین کے مزار پر مناتے۔ یہ محدود قسم کے تہوار ہوتے جن میں چند سو لوگ شریک ہوتے۔

جشنِ بہاراں:

انگریز آئے تو انہوں نے مقامی ثقافت کی ترویج کا فیصلہ کیا، انگریزوں کا خیال تھا، ہر وہ تہوار جو مقامی لوگوں کی اخلاقیات پر برا اثر ڈال سکتا ہے اسے سرکاری سرپرستی فراہم کی جائے، جان لارنس لاہور میں انگریز گورنر جنرل کا سیاسی نمائندہ ہوتا تھا، اسے بسنت کا تہوار ''مناسب'' دکھائی دیا، لہٰذا اس نے 1848ء میں پہلی بار ''جشنِ بہاراں'' منانے کا اعلان کیا، یہ بسنت کا ہفتہ بھی کہلایا، اس ہفتے لاہور میں ناچ گانے، پتنگ بازی اور شراب کا عام استعمال ہوا۔ یہ وہ ہفتہ تھا جس میں اخلاقی جرائم کو ناقابلِ دست اندازی پولیس قرار دے دیا گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں اس ہفتے لاہور کے شرفاء نے گلی کوچوں میں قدم تک نہ رکھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ گلی کوچوں میں غنڈے ان کے ساتھ بدتمیزی کریں گے جس سے ان کی عزت پر حرف آئے گا۔ 2002ء کو تقریباً 154 برس بعد جنرل پرویز مشرف نے جان لارنس کی پیروی میں جشنِ بہاراں منایا جس سے یقیناً جان لارنس کی روح کو طمانیت نصیب ہوئی ہو گی اور اسے اپنے ہم ذہنوں کی کارکردگی پر خوشی ہوئی ہو گی۔

بسنت سرکاری سرپرستی میں:

لاہور میں پتنگ بازی اور بسنت منانے کی روایت پاکستان بننے سے پہلے سے موجود تھی۔ اس دور میں لاہور کا منٹو پارک (اب اقبال پارک) پتنگ بازی کے مقابلوں کے لیے مختص تھا، منٹو پارک میں پتنگوں کی تیس چالیس دکانیں تھیں، بسنت کے دنوں میں ''زندہ دلانِ لاہور'' منٹو

پارک میں جمع ہوتے، پتنگ بازی کے مقابلے کرتے اور چیخ چلا کر خوشیاں مناتے۔ اس دور میں پتنگ بازوں کے سردار کو ''استاذ'' کہا جاتا تھا ''تم بڑے استاد ہو'' کا محاورہ انہیں دنوں پیدا ہوا، اس ''استاذ'' کو لاہور میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بعد ازاں یہ عہدہ کبوتر بازوں، موٹر مکینکوں اور ڈرائیوروں نے آپس میں بانٹ لیا۔ پاکستان بننے کے بعد بسنت کا تہوار فوت ہو گیا لیکن پتنگ بازی کا سلسلہ جاری رہا، بھارت میں بھی بسنت کا تہوار زوال پذیر ہو گیا، اس کی بڑی وجہ بسنت کا غیر مذہبی تہوار ہونا تھا، ہندو مت میں صرف وہ رسمیں وہ تہوار اور وہ جشن زندہ رہتے ہیں جنہیں مندر اور پروہت کی آشیر باد حاصل ہوتی ہے، بسنت کیونکہ ایک خالصۃً ثقافتی تہوار تھا، اس کا تعلق بھی مسلم اکثریتی صوبے پنجاب سے تھا لہٰذا پاکستان بننے کے بعد یہ تہوار بھارت میں جڑ نہ پکڑ سکا جبکہ پاکستان میں ابتدائی 13 برس لاہور میں بسنت نام کا کوئی تہوار نہیں ہوا۔ 1960ء کی دہائی میں منٹو پارک میں ایک بار پھر پتنگ بازی کے مقابلے شروع ہو گئے۔ ان مقابلوں کو کسی ستم ظریف نے ''بسنت'' کا نام دے دیا۔ یوں ایک بار پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا، وہاں سے پتنگ بازی کی وبا شاہدرہ، شالیمار باغ اور بادامی باغ پہنچی۔ ایوب خان کی حکومت آئی تو فوج کو عوامی توجہ ان کے اصل مسائل سے ہٹانے کی ضرورت پیش آئی لہٰذا فوجی حکومت نے بسنت قسم کے لغو اور فضول سلسلوں کی معاونت اور سرپرستی کا فیصلہ کیا۔

ایوب خان کی شکل میں فوجی اور نیم فوجی دور کو دس برس ہو چکے تھے۔ ایوب خان اور ان کے حواری کوشش کے باوجود عوام میں اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے میں ناکام ہو رہے تھے۔ اس وقت وزارت ثقافت نے حکومت کو ایک ایسا منصوبہ بنا کر دیا جس کے ذریعے عوام کی نفرت کا رُخ بدلا جا سکتا تھا۔ لوگوں کو تہواروں اور تقریبات میں الجھا کر ان کی توجہ ملک کے اصل ایشوز سے ہٹائی جا سکتی تھی، لہٰذا 1961ء میں پہلی بار لاہور میں شہر کی سطح پر بسنت منائی گئی۔ یہ کوشش اس کے باوجود پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی کہ حکومت نے سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اخبارات کو بسنت کی ترویج اور تہوار کی نشر و اشاعت کے لیے خصوصی صفحات جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس دور میں بین الاقوامی سطح پر ایک نئی تبدیلی آئی۔

دو دشمن طاقتیں اوران کے مقاصد:

ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے کاروبار کی توسیع کے لیے تیسری دنیا کا رُخ کیا۔ جب یہ کمپنیاں غریب ممالک میں آئیں تو انہوں نے محسوس کیا۔ مشرق اور مغرب کی تہذیب اور ثقافت میں بہت فرق ہے۔ اس فرق کے باعث ان کے مشروبات، ان کے لباس، ان کی طرز رہائش، ان کی بیماریاں، ان کی بیماریوں کے علاج اوران کے تہواروں میں بہت فرق ہے۔ اب ظاہر ہے جس جگہ شکر کا شربت پیا جاتا ہو، لسی جس علاقے کا مشروب ہو وہاں کوک یا چائے کی کیا گنجائش نکلے گی؟ جس علاقے کے 90 فیصد تمبا کو نوش حقہ پیتے ہوں وہاں گولڈ لیف یا ولز کی مارکیٹ کہاں ہوگی؟ جہاں لوگ شلوار قمیص پہنتے اور دھوتی باندھتے ہوں اس ملک میں جینز اور جیکٹ کون خریدے گا؟ اور جس علاقے میں لوگ نزلے کا علاج جوشاندے سے کرتے ہوں وہاں اینٹی بائیٹک کی خرید و فروخت کا کیا امکان ہوگا؟ لہٰذا ملٹی نیشنل کمپنیوں نے سوچا جب تک وہ تیسری دنیا کی ثقافت نہیں بدلیں گی ان کے کاروبار کی سرحدیں آگے نہیں پھلیں گی۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے 60 کی دہائی کے آخر میں پوری دنیا کی ثقافت میں ''مساوات'' پیدا کرنے کا عملی کام شروع کر دیا۔ اس ضمن میں چار شعبے منتخب کیے گئے:

ملٹی نیشنل کمپنیوں کے چار ہتھکنڈے:

☆ شوبز۔ ☆ کھیل۔ ☆ تہوار اور بیماری۔ اس سلسلے میں آپ تھوڑا سا غور وفکر کریں تو آپ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی سرکاری حرکات سمجھ جائیں گے۔ مثلاً:

☆ شوبز کو لیجیے: اس مکروہ اور شیطانی کاروبار میں جتنی ترقی پچھلے تین برسوں میں ہوئی اتنی کسی شعبے میں نہیں ہوئی۔ رنگین ٹیلی ویژن، انگریزی فلمیں، فحش کیسٹیں، وی سی آر، ڈی وی ڈی، ڈش انٹینا، کیبل اور انٹرنیٹ کیا ہے؟ یہ وہ بیماری ہے جس نے آرنلڈ، جینز، فونڈا، میڈونا اور مائیکل جیکسن کو پوری دنیا کا ہیرو بنا دیا۔ آج میڈونا پاکستان جیسے پسماندہ ملک میں بھی اتنی ہی مشہور ہے جتنی امریکا اور یورپ میں۔

☆ کھیل ملٹی نیشنل کمپنیوں کا دوسرا ہتھیار ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ایک سازش کے ذریعے

کرکٹ، اسکواش اور ٹینس کو پوری دنیا کا کھیل بنا دیا۔ کرکٹ اس فہرست میں پہلے نمبر پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کا وہ کھیل ہے جس میں زیادہ سے زیادہ اشتہارات کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً آپ باؤلر کو دیکھیے جب باؤلر اسٹارٹ لینے کے لیے لائن کی طرف جاتا ہے، اپنی پتلون پر بال رگڑتا ہے تو اس دوران ملٹی نیشنل کمپنیاں اسکرین اور ریڈیو پر اپنے اشتہارات چلاتی رہتی ہیں۔ ہر اوور اور ہر نئے کھلاڑی کی آمد کے دوران بھی اشتہارات چلائے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات ملاحظہ کیجیے کہ کرکٹ کے کھیل میں باؤلرز کو زیادہ معاوضہ ملتا ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام بڑے باؤلر ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ملازمین ہیں۔ یہ کمپنیاں انہیں ہر ماہ بھاری معاوضہ دیتی ہیں۔ یہ باؤلرکس چیز کا معاوضہ لیتے ہیں؟ یہ بہت دلچسپ سوال ہے۔ ان باؤلرز کو لمبے اسٹارٹ کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ کمپنی انہیں پابند کرتی ہے کہ وہ جب بال کرانے جائیں گے تو زیادہ دیر تک بال پتلون کے ساتھ رگڑیں گے۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دور تک جائیں گے۔ یہ وقفہ کمپنی کے لیے بہت قیمتی ہوتا ہے کیونکہ اس وقت لاکھوں کروڑوں ناظرین کی آنکھیں اسکرین پر جمی ہوتی ہیں۔ اس لمحے کمپنی جو بھی اشتہار دکھائے گی کروڑوں لوگ وہ اشتہار دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔ کرکٹ کے مقابلے میں ہاکی اور فٹ بال جیسے کھیل تیسری دنیا میں اس لیے نہ پنپ سکے کہ یہ مسلسل کھیل ہوتے ہیں۔ ان میں اگر کوئی کھلاڑی بال لے کر بھاگتا ہے تو ٹیلی ویژن کیمرہ اسے مسلسل دکھانے پر مجبور ہے، لہٰذا اس میں سے اشتہار کی گنجائش نکالنا تقریباً ناممکن ہے۔

☆ تہوار ملٹی نیشنل کمپنیوں کا تیسرا بڑا ہتھکنڈا تھا۔ ان کمپنیوں نے ایک مکمل سازش کے ذریعے نیو ایئر نائٹ، ویلنٹائن ڈے اور کرسمس جیسے تہواروں کو پوری دنیا کا تہوار بنا دیا۔ اب ذرا خود دیکھیے! اس وقت نیو ایئر نائٹ پوری دنیا میں منائی جاتی ہے۔ 31 دسمبر 1999ء کو ملینیم نائٹ منائی گئی۔ اس رات صرف امریکا میں 76 ارب ڈالر کی شراب پی گئی۔ اس شراب کا فائدہ کس نے اٹھایا؟ شراب بنانے والی کمپنیوں نے۔ ان کمپنیوں نے تین سال پہلے ہی سے ملینیم نائٹ کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ میڈیا کو پیسے کھلا کر پوری دنیا کو ملینیم نائٹ کے بخار میں مبتلا کر دیا گیا یہاں تک کہ پاکستان کے وہ لوگ جن کے پاس چارپائی تک نہیں تھی، وہ بھی نئی صدی

کے استقبال کے لیے 31 دسمبر بارہ بجے سڑکوں پر کھڑے تھے۔ یہی صورت حال ویلنٹائن ڈے کی ہے۔ اس ملک کی آبادی کا زیادہ تر حصہ ''ویلنٹائن ڈے'' کے تلفظ سے واقف نہیں لیکن وہ پھول اٹھا کر پھر رہا ہے۔

اب آتے ہیں بسنت کی طرف۔ یہ ایک مقامی تہوار تھا جو مقامی سطح پر منایا جاتا تھا۔ 80ء کی دہائی کے آخر میں ملٹی نیشنل کمپنیوں نے محسوس کیا اگر اس تہوار کی پشت پناہی کی جائے تو یہ تہوار منافع بخش کاروبار بن سکتا ہے، چنانچہ لاہور میں ایسے لوگ تلاش کیے گئے جو اس سلسلے میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ یورپی ممالک نے اپنے سفارت کاروں کو بسنت کے تہوار میں شریک ہونے کی ہدایت کی۔ وہ سفارت کار جو سفارت خانے سے نکلنے کے لیے حکومت سے حفاظت کی سو سو گارنٹیاں مانگتے ہیں۔ وہ اندرون لاہور دو دو دن بسنت مناتے دیکھے گئے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بسنت کو اسپانسر کیا۔ میڈیا نے اسے کوریج دی۔ کوک، چائے اور ٹوتھ پیسٹ بنانے والوں نے اشتہارات دیے، بسنت کے گانے ریکارڈ ہوئے اور پتنگیں اُڑاتے اداکار ٹیلی ویژن اسکرین پر دکھائے جانے لگے۔ یوں دو تین برسوں میں بسنت قومی تہوار بن گئی۔ پرویز مشرف کی حکومت آئی تو حکومت نے اس ناجائز بچے کو اپنا نام دے دیا۔ ''جشنِ بہار'' کی شکل میں بسنت سرکاری تہوار ہو گیا۔

☆ بیماریاں اور ادویات ملٹی نیشنل کمپنیوں کا چوتھا ذریعہ ہیں۔ آپ ذرا سوچیں ایڈز، ہیپاٹائٹس اور امراض قلب اس خطے کی بیماریاں ہیں؟ نہیں! یہ یورپی امراض تھے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے خوراک کے ذریعے یہ امراض اس خطے میں پیدا کیے اور آج تیسری دنیا کے کروڑوں اربوں لوگ جگر اور جنس کے اربوں ڈالر کی دوائیں کھا رہے ہیں۔

بسنت کا فائدہ دو طاقتوں نے اٹھایا:

آیئے! اب یہ سوچتے ہیں بسنت کا سب سے زیادہ فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے۔ بسنت کا فائدہ دو طاقتیں اٹھا رہی ہیں: ملٹی نیشنل کمپنیاں جو اس تہوار کے ذریعے اپنی مصنوعات کے اشتہارات دیتی ہیں اور ہمارا دشمن بھارت جو ہر سال پاکستان میں کروڑوں اربوں کا سامان بیچتا ہے۔ دلچسپ

حقیقت دیکھیے! جب لاہور اور پھر پورے پاکستان میں بسنت کو پذیرائی ملی تو امرتسر، ہریانہ اور دہلی بسنت کے ساز وسامان کی منڈی بن گئے۔ پاکستان ہر سال بھارت سے کروڑوں روپے کی ڈور اور پتنگیں اور ان کے بنانے کا ساز و سامان درآمد کرتا ہے جو بظاہر دشمن کی معیشت کو فائدہ پہنچانے کے مترادف ہے۔ بسنت کے سلسلے میں بھارت کے اندر دو سیاسی فلسفے پائے جاتے ہیں: کانگریس بسنت کو برصغیر کا قومی تہوار سمجھتی ہے جبکہ شیو سینا اسے سکھوں کا تہوار کہتی ہے۔ ہم پاکستان میں یہ تہوار منا کر کانگریس کے فلسفے کو طاقت فراہم کر رہے ہیں۔ کانگریس کا یہ نعرہ تھا: ہندو اور مسلمان کی ثقافت، زبان اور تہوار ایک ہیں، لہٰذا یہ دو قومیں نہیں ہیں جبکہ مسلمانوں کا کہنا تھا ہماری ثقافت، تہذیب زبان اور تہوار ہندوؤں سے مختلف ہیں لہٰذا ہم الگ قوم ہیں۔ یہ فلسفہ نظریہ پاکستان کہلاتا ہے۔ ہم پاکستان میں بسنت منا کر نظریہ پاکستان کی توہین کر رہے ہیں۔ ہم ثابت کر رہے ہیں کہ کانگریس کے عمائدین ٹھیک سوچ رہے تھے۔ وہ درست کہتے تھے کہ ہم بسنت پر پیلے کپڑے پہنتے ہیں، ڈھول کی تھاپ پر ناچتے ہیں، عورتیں اور مرد اکٹھے گاتے اور کھاتے پیتے ہیں۔ یہ سب ہندوانہ تہذیب کے آثار ہیں۔ ہم اس کے ذریعے سرحد پار یہ پیغام دے رہے ہیں ''ہم صرف نام کے مسلمان اور پاکستانی ہیں۔'' تہذیب، شائستگی اور اخلاقیات بھی اس تہوار کی اجازت نہیں دیتی۔ ہلا گلا، شور شرابہ، ناچ گانا، تانک جھانک اور اسراف کی دنیا کی کوئی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ یہ کیا تفریح ہے جو جاتے جاتے بیسیوں جانیں ساتھ لے جاتی ہے؟ جس میں ایک رات میں کروڑوں روپے کی بجلی ضائع کر دی جاتی ہے اور فحاشی اور عریانی کو جس کا حصہ بنایا جا رہا ہے؟

بسنت کی شہرت کیسے ہوئی؟

بسنت کا تہوار لاہور سے کیسے نکلا؟ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ کم دلچسپ نہیں۔ اس کا سہرا طالب علموں کے سر ہے۔ لاہور کو کالجوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ اس شہر کے تعلیمی ادارے ملک اور بیرون ملک مشہور ہیں۔ پورے ملک سے طالب علم ان میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ طالب علم لاہور میں بسنت دیکھتے رہے، تعلیم کے بعد جب یہ لوگ اپنے آبائی شہروں کو لوٹے یا پھر ملازمتوں کے سلسلے

میں دوسرے شہروں میں گئے تو بسنت بھی ساتھ لے گئے، یوں دوسرے شہروں میں بھی آہستہ آہستہ یہ گندا کھیل کھیلا جانے لگا۔ بسنت کس نے پھیلائی؟ یہ عوام کی زندگیوں کا حصہ کیسے بنی؟ یہ اس خطے کا تہوار ہے یا نہیں؟ پاکستان اور پنجاب بسنت کے رنگوں میں کب رنگین ہوئے؟ یہ تمام سوال اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ بسنت کی زندگی میں ملٹی نیشنل کمپنیوں، بیرونی طاقتوں اور عالمی ایجنسیوں کا کیا کردار ہے؟ یہ سوال بھی اپنی جگہ کم اہم نہیں لیکن یہ حقیقت بھی اٹل ہے جب تک حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہو کوئی جرم پورے معاشرے کو لپیٹ میں نہیں لیتا، کوئی گناہ پوری قوم کا گناہ نہیں بنتا اور کوئی رسم، ثقافت کا کوئی جزو تہذیب کا حصہ نہیں بنتی۔ بسنت ایک قدیم تہوار تھا لیکن اس کو جدت اور زندگی ہماری موجودہ حکومت نے فراہم کی۔ خود سوچیے! جن خرافات کے لیے 8 فروری 2003ء، کو 245 وی وی آئی پی اور ایک ہزار 7 سو وی آئی پی شخصیات سمیت 3 ہزار اہم لوگ لاہور میں ہوں ان خرافات کو تہوار بننے سے کون روک سکتا ہے؟ اس رسم کو تہذیب کا حصہ بننے سے کون باز رکھ سکتا ہے؟

بسنت کے مضر اثرات:

بسنت کے ذریعے ہماری ثقافت تباہ ہوئی۔ ہمارا معاشرہ افراتفری اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہوا۔ ہماری نوجوان نسل گمراہ ہوئی۔ ہم نے تفریح کے نام پر پورے معاشرے کو نفسیاتی بیماری کے حوالے کر دیا اور ہم نے اپنی معیشت، اپنا قومی وقار گروی رکھ دیا۔ ان تمام جرائم کے چھینٹے حکومت کے گریبان پر ہیں۔ اس کا ایک ہی مجرم ہے اور اس مجرم کا نام ''حکومت'' ہے۔

زندہ دلی یا مردہ دلی

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

کہنے والے کہتے ہیں ’’لاہور، لاہور ہے‘‘۔اس میں شک ہی کیا ہے کہ لاہور، لاہور ہے۔کوئی دوسرا شہر لاہور نہیں ہوسکتا۔یہ وہی لاہور ہے جہاں سے ہندوستان میں آنے والے بیرونی حملہ آور گزرا کرتے تھے اس لیے یہ بار بار اُجڑتا اور آباد ہوتا رہا۔خزاں اور بہار، آبادی اور بربادی، تعمیر اور تخریب نے جتنی آنکھ مچولی یہاں کھیلی شاید ہی کسی دوسرے شہر میں کھیلی ہو۔غزنویوں نے اسے فتح کیا اور اسی فتح کی یاد میں یہاں مسجد تعمیر کرائی۔انہی کے دور میں حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ نے غزنی سے ہجرت کے بعد لاہور کو سکونت کے لیے پسند کیا اور وہ یہاں 34 سال اسلام کی دعوت، قرآن کی اشاعت، انسانوں کی اصلاح اور دلوں کے تزکیہ میں مصروف رہے۔ان کے اخلاق عالیہ نے مسلم اور غیر مسلم سب کو اپنا گرویدہ بنالیا۔وہ ساری زندگی توحید کی تبلیغ اور خدائے واحد کے سامنے سر جھکانے کی تلقین کرتے رہے......لیکن ان کی رحلت کے بعد یار لوگوں نے انہی کے مزار کو سجدہ گاہ بنالیا۔یہ وہی لاہور ہے جہاں سو سال تک غوری قابض رہے، قطب الدین ایبک کا مزار ان کی نشانی کے طور پر آج بھی موجود ہے۔پھر خلجی اور تغلق آئے اور انہوں نے اڑھائی سو سال تک یہاں حکومت کی۔تاتاریوں نے یہاں کئی بار چڑھائی کی، وہ جب واپس پلٹتے تو خون سے رنگین فرش، اُجڑے ہوئے مکان، جلی ہوئی دُکانیں، لٹی ہوئی عصمتیں، بکھرے ہوئے اعضا، گندگی سے اَٹے ہوئے معبدان کی وحشت و بربریت کی داستانیں سناتے۔

یہ وہی لاہور ہے جسے مغلوں نے شاندار عمارتوں، چٹکتے مہکتے باغوں، تاریخی یادگاروں اور پُرشکوہ مقبروں اور قلعوں کا شہر بنادیا۔یہ وہی لاہور ہے جہاں سالہا سال تک سکھوں کی سکھ شاہی نے شریف انسانوں کا جینا دوبھر کیے رکھا۔ان ظالموں نے مساجد کو اصطبل اور مدارس کو رنڈی خانے بنانے سے بھی دریغ نہ کیا۔سادات خاندان سے تعلق رکھنے والے رائے بریلی کا مردِ مومن

جسے دنیا سید احمد شہید رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے اور جس کے عزم وایثار اور جذبۂ جہاد وایمان نے قرونِ اولیٰ کی یادیں تازہ کر دی تھیں، وہ سکھ شاہی کی داستانیں اور مساجد و مدارس کی بے حرمتی کے واقعات سن کر ہی سراپا درد بنا تھا، اس درد نے اسے چین نہ لینے دیا اور وطن سے بے وطن کر کے ہی چھوڑا۔ وہ سکھوں کو یقیناً تاریخی سبق سکھاتا اور ان سے ایک ایک ستم کا انتقام لیتا...... مگر اپنوں کی بے وفائی نے اس کے سارے خواب بالاکوٹ کی فضا میں بکھیر دیے۔

یہ وہی لاہور ہے جہاں کے شہریوں کو شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے کم وبیش چالیس سال تک قرآن سنایا اور پھر انہیں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''لاہوریو! میں اتمامِ حجت کر رہا ہوں، میں اپنے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بری الذمہ کر رہا ہوں تا کہ آپ لوگ قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہمیں کوئی ڈرانے والا اور سنانے والا نہیں آیا تھا۔ میں آپ کو بیدار کر رہا ہوں، پٹواری سے گورنر تک آپ کا کوئی بھی خیر خواہ نہیں ہے، اگر آپ کا کوئی خیر خواہ ہے تو وہ اللہ والا ہے جو آپ سے کھانے کو نہ مانگے، دربارِ محمدی کا غلام ہو، اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں مشعلِ حدیث خیرالانام ہو اور وہ ان دونوں کی روشنی میں آپ کی رہنمائی کرے۔''

یہ وہی لاہور ہے جس کے باشندوں سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ یوں ہم کلام ہوئے تھے: ''صدرِ محترم اور تماشائی بھائیو! لاہور آئے ہوئے مجھے بیس سال ہو گئے ہیں، میں بوڑھا ہو گیا ہوں، بال سفید ہو چکے ہیں، آج تک مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ آپ ہیں کیا؟ غوث ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں، ولی ہیں۔ کیا ہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کس انداز سے مخاطب کروں۔''

یہ وہی لاہور ہے جہاں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تھی، اسی قرارداد کی منظوری کی یاد میں مینارِ پاکستان تعمیر کیا گیا۔ تقسیم ہند کے بعد جب لٹے پٹے مہاجرین کے قافلے پاکستان پہنچے تھے تو ان کی پہلی منزل لاہور ہی تھا۔ ان میں سے کوئی کئی دن کا بھوکا ہوتا اور کوئی زخموں اور بیماری سے نڈھال ہوتا۔ کسی کے پاس ڈھنگ کا لباس نہ ہوتا اور کوئی موسم کی سختیوں کا مقابلہ کرنے والے بستر سے محروم ہوتا...... لیکن لاہوریوں نے مہاجرین کی نصرت کا حق ادا کر دیا۔ وہ ہر کانوائے کی آمد سے قبل بریانی، پلاؤ اور زردے کی دیگیں تیار رکھتے۔ کمبل، کپڑے، ادویہ اور دوسرا امدادی سامان بھی

موجود ہوتا۔ آنے والے محسوس کرتے کہ اگر ہم مہاجرین ہیں تو ہمارا استقبال کرنے والے واقعی انصار ہیں۔

آخر کیوں نہ ہوتا کہ یہ زندہ دلوں کا شہر تھا اور زندہ دل یونہی کیا کرتے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب زندہ دلی کے مفہوم میں کوئی ہیرا پھیری نہیں ہوئی تھی۔ زندہ دلی کا مفہوم تھا محبت، ایثار، جرأتِ اظہار، جذبۂ ایمان، عشقِ رسول۔ غازی علم الدین بھی ایک لاہوری ہی تھے جس نے پھانسی کے پھندے کو بوسہ دے کر زندہ دِل ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ تحریکِ تحفظ ختم نبوت ہو یا تحریکِ نظام مصطفیٰ، اہلِ لاہور زندہ دلی کا ثبوت دیتے رہے۔

یہ وہی لاہور ہے جس پر 6 ستمبر 1965ء کو بھارتی فوج نے اعلانِ جنگ کیے بغیر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ دشمن کا خیال تھا کہ وہ صرف 72 گھنٹوں کے اندر مغربی پاکستان پر قبضہ کر لے گا......لیکن پاک فوج نے دشمن کے عزائم خاک میں ملا دیے اور پہلے ہی روز جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ صدرِ مملکت ایوب خان نے بھارت کے اچانک حملے کے پیشِ نظر ملک میں ہنگامی حالت نافذ کر دی اور قوم سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا: ''پاکستان کے دس کروڑ عوام جن کے دل ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی آواز کے ساتھ دھڑک رہے ہیں، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک بھارتی توپیں ہمیشہ کے لیے خاموش نہ کر دی جائیں۔ بھارتی حکمرانوں نے ابھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کا واسطہ کس قوم سے پڑا ہے؟ وہ اللہ کے نام پر فردِ واحد کی طرح ایمان اور اپنے منصفانہ حق کے لیے لڑے گی۔ اللہ نے انسانوں سے وعدہ کیا ہے کہ ہمیشہ سچ کو فتح نصیب ہوگی۔'' اور واقعی ایسے ہی ہوا، لا الہ الا اللہ پر دھڑکنے والے زندہ دلوں کو فتح نصیب ہوئی اور دشمن زخم چاٹنے پر مجبور ہوا......تب دشمن نے پینترا بدلا اور پاکستان کو فتح کرنے کے لیے شمشیر و سناں سے زیادہ طاؤس و رباب پر توجہ دی۔

ایک گستاخ رسول کی یاد میں منائے جانے والے تہوار ''بسنت'' میں اہلِ لاہور کی جنون کی حد تک بڑھتی ہوئی دلچسپی دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس لاہور کو ہندوؤں کے بازوئے شمشیر زن فتح نہ کر سکے، اب اسے ثقافتی وفود اور بالی ووڈ کے اداکاروں اور اداکاراؤں نے اپنے

ٹھمکوں، مجروں اور ہندوانہ تہواروں کو مقبول بنا کر فتح کر لیا ہے۔ لاہوریوں نے اس انداز سے ''بسنت'' کو اپنے سینے سے لگایا ہے کہ خود ہندو بھی ششدر رہ گئے ہیں۔ خوشی کے مارے ان کی باچھیں کھل گئی ہیں اور وہ برسر عام کہہ رہے ہیں کہ اس تہوار کو ہم انڈیا میں اس جوش و خروش (بلکہ جنون) سے نہ منا سکے جس جوش و خروش سے لاہوری منا رہے ہیں بلکہ سننے میں آیا ہے کہ ہندو تعجب اور مسرت کے ملے جلے انداز میں شکوہ کر رہے ہیں کہ تہوار ہمارا تھا مگر اس پر قبضہ...... نے جما لیا ہے۔ شاید انہیں امید ہو چلی ہے کہ رفتہ رفتہ یہ ہماری دوسری مذہبی رسوم بھی اپنا لیں گے۔ جب رسوم اور نظریات میں یکجائی ہو جائے گی تو پھر اکھنڈ بھارت کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ بے حسی کی انتہا یہ ہے کہ دو تین دنوں میں اس ہندوانہ رسم پر قوم نے اربوں روپے خرچ کر دیے، کروڑوں روپے کا سرکاری نقصان ہوا، سیکڑوں زخمی ہوئے، دو درجن سے زائد جاں بحق ہو گئے۔ شراب نوشی اور فحاشی کے نئے ریکارڈ قائم ہوئے...... مگر فہم و دانش کے دعوے دار کھلے عام کہہ رہے ہیں کہ اس قسم کے ''معمولی نقصانات'' کی وجہ سے تفریحی پروگرام ترک نہیں کیے جا سکتے ورنہ زندگی بے رونق اور بے مزہ ہو جائے گی۔ مسلمانوں کے بالعموم اور پاکستان کے بالخصوص بدترین دشمن کی برخود غلط رسم کے احیا اور ترویج، شراب نوشی کی کثرت، فحاشی اور بے حیائی کے مظاہر، جانوں اور مال کے بے تحاشا ضیاع اور پھر ایک لاہوری ہی کی طرف سے اسے ''معمولی نقصان'' قرار دینے کی خبریں پڑھ کر میں سوچ رہا ہوں کہ اس سارے عمل کو زندہ دلی قرار دیا جائے یا مردہ دلی، اگر یہ سب کچھ زندہ دلی ہے تو پھر نہ معلوم مردہ دلی کس بلا کا نام ہے؟

زندہ دلوں کے شہر میں

آج بروز جمعہ 6 فروری شیخو پورہ شہر میں چند مذہبی پروگراموں میں شرکت کے لیے یہ ناچیز لاہور پہنچا ہے۔ سڑکوں پر عام معمول سے زیادہ اژدہام ہے۔ ٹریفک رینگ رہا ہے۔ ڈرائیور نے بتایا: آج شام بسنت میلہ کا افتتاح ہو رہا ہے۔ دکانوں پر انواع واقسام کی پتنگیں آویزاں ہیں۔ بعض کمپنیوں نے اور اخبارات نے اپنے نام کی پتنگیں بنوا کر مفت بھی تقسیم کر رکھی ہیں۔ کارپوریشن کا عملہ مخصوص علاقوں کی سڑکیں دھونے میں مصروف ہے۔ ضلعی حکومتوں کی جانب سے شاہراہوں کو بینروں، قمقموں اور پھولوں سے سجایا گیا ہے۔ جہازی سائز کی پتنگیں بڑے بڑے چوراہوں پر نصب کی گئی ہیں۔ بجلی کے کھمبوں کے ساتھ برقی پتنگیں لگائی گئی ہیں۔ کنکشن مفت دیے گئے ہیں۔ رات کو جب یہ روشن ہوں گی تو آگے پیچھے، اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف بسنت کا راج ہوگا۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے تشہیری مہم میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ اشتہارات میں بسنت کی خوشیاں منانے، موج اُڑانے، مستی مچانے اور ہلا گلا کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ پورے ملک بلکہ یورپ تک سے ''یکسانیت اور بوریت'' سے تنگ آئے ہوئے لوگ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سر کے بل آ رہے ہیں (یہ بھی اپنے اپنے نصیب کی بات ہے، کسی نے حج کی دعوت پر لبیک کہا اور کسی نے بسنت کی دعوت پر، کسی نے روحانیت کی پکار پر اور کسی نے مادیت اور معصیت کی صدا پر) ریلوے اسٹیشن، بس اڈا اور ایئر پورٹ ہر جگہ رش ہے۔ وفاقی وزرا، ارکان پارلیمنٹ، صوبائی وزرا، صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اور مختلف سرکاری اور غیر سرکاری محکموں اور کمپنیوں سے وابستہ ہزاروں اہم شخصیات لاہور پہنچ رہی ہیں۔ پاک سرزمین کے کونے کونے سے مشہور گویے اور رقاصائیں لاہور کا رُخ کر رہی ہیں۔ غیر ملکی سفرا بھی مدعو ہیں، ان کی موجودگی میں ناچ گا کر، اربوں روپے اُڑا کر، ٹانگیں تڑوا کر، گردنیں کٹوا کر، ہنستے بستے گھر اُجاڑ کر زندہ دلی کے ثبوت پیش کیے جائیں گے۔ آخر کیوں نہ ہو کہ یہ ''زندہ دلوں کا شہر'' ہے۔

آج اور آج کے بعد چند روز تک سرکاری سرپرستی میں ہندوانہ تہوار کا ہنگامہ عروج پر ہوگا۔ ناؤ نوش کی محفلیں ہوں گی، عورتیں بسنتی دوپٹے اور مرد بسنتی رنگ کے اسکارف گلے میں ڈالیں گے۔ پتنگیں لوٹنے والے لمبے لمبے بانس ہاتھوں میں لیے ہر روڈ اور ہر بازار میں غول در غول اک جنون کی سی کیفیت میں بھاگتے دوڑتے دکھائی دیں گے۔ ہوٹلوں، گھروں اور مشہور عمارتوں کی چھتوں پر سرچ لائٹیں لگا کر رات کے اندھیرے کو دن کے اُجالے میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اندر تاریکی اور باہر روشنی ہوگی۔ ڈھول ڈھمکا ہوگا، ''بوکاٹا'' کا شور ہوگا۔ جدید ترین تراش خراش کے لباس میں عریانیت ہوگی جو مستور تھی وہ مکشوف ہوگی، جو نہاں تھی وہ عیاں ہوگی، جو زینتِ کاشانہ تھی وہ زیب ے خانہ ہوگی، جو باکمال تھی وہ پائمال ہوگی، جو نورِ چشم تھی وہ داستانِ ستم ہوگی۔ عیاشی اور بدتمیزی کا ایسا طوفان اٹھے گا جو ماں، بہن اور بیٹی کا تقدس خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ بہن اور بیٹی کے کامیاب پیچ لڑانے پر بھائی اور والدین تالیاں بجا بجا کر داد دیں گے۔ جسم زمین پر رہ جائیں گے اور حیا فضا میں اُڑ جائے گی۔ ہائے اللہ! ''زندہ دلوں کے شہر میں'' آج کیا کچھ ہوگا۔

البیرونی نے لکھا: ''عید بسنت، بیساکھ میں منائی جاتی ہے، اس مہینے میں استوار بیعی ہوتا ہے، جس کا نام بسنت ہے، حساب سے (جوتش اور علمِ نجوم کے ذریعے) اس وقت کا پتا لگا کر اس دن عید کرتے اور برہموں کو کھلاتے ہیں۔''

کسی نے کہا: دنیا کے سارے ہی بت پرست موسمِ بہار یا بسنت رت کے آنے پر جشن مناتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بہار کی آمد میں دیوتاؤں کی مہربانی کارفرما ہے۔ بہار کی دیوی کو مصر میں آئس، شام و عراق میں عشار، یونان میں وینس، ایران میں ناہید، روم میں اسیرس، چین میں شیس، ہند میں دُرگا اور عرب میں زہرہ کہا جاتا تھا اور اسے خوش کرنے کے لیے مختلف نذرانے پیش کیے جاتے تھے۔ سب سے قیمتی نذرانہ تو انسانی جان ہے، چنا ہار کی دیوی کو خوش کرنے کے لئے انسان ذبح کیے جانے لگے۔ انڈیا میں اب بھی دُرگا دیوی کو خون دیا جاتا ہے...... زندہ دلانِ لاہور نے بھی نو جوانوں اور چھ سو سے زائد زخمیوں کا نذرانہ پیش کر دیا ہے۔

انسانی اقدار کی پامالی:

محققین بسنت کے تہوار کو ایک ہندولڑ کے ''حقیقت رائے'' کی یادگار بتاتے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس غلیظ رسم کا تعلق گستاخِ رسولؐ سے ہو یا گستاخِ خدا سے، وہ تو بس یہ جانتے ہیں کہ یہ زندہ دلی کا ایک بہانہ اور آزادروی کا ہاتھ لگا موقع ہے۔ ناچیز حیران ہے کہ گستاخِ رسول کو جہنم رسید کرنے والے غازی علم دین شہید لاہوری کو زندہ دل کہے یا ایک دشنام طراز کی بدبودار یادوں کا تعفن اُٹھانے والے پتنگ باز ''لاہوریوں'' کو۔ جب عقلیں مسخ ہو جائیں، معدہ عقل پر غالب آ جائے، نفسانی خواہشیں انسانی قدروں کو پامال کر دیں، شہوتوں کی بندگی ہونے لگے، سفلی مقاصد اور کھیل کود کو مقصدِ زندگی بنا لیا جائے، انسان خود ہی اپنی تباہی و بربادی پر کمر بستہ ہو جائے تو پھر حلال اور حرام کے پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں، جائز اور ناجائز کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ سمجھانے والوں سے چڑ ہو جاتی ہے، ان کی دردمندانہ التجا، بے وقت کی راگنی معلوم ہوتی ہے۔ حرمتِ رسول کا واسطہ دینے میں ذاتی مفاد اور دقیانوسیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن ظالم حکمرانوں کے لیے یہ ماحول اور یہ اندازِ فکر بڑا سازگار ہوتا ہے، وہ اس لمحۂ مطلوب کے منتظر رہتے ہیں جب ان کی رعایا کھیل کود اور رقص و سرود میں مست ہو کر اپنے حقوق سے غافل ہو جائے اور وہ اپنے ظالم حکمرانوں کی بے ہودگیوں اور شاہ خرچیوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دے۔ روم و یونان کی قدیم تاریخ کو اُٹھا کر دیکھ لیں وہاں کے ڈکٹیٹروں نے بھی عوام کو ان کے جائز معاشی، سیاسی اور سماجی حقوق سے محروم رکھنے کے لیے یہی روش اختیار کی تھی اور بالآخر انہی فضولیات اور لغویات میں انہماک کی وجہ سے وہاں تباہی نازل ہوئی۔ میرے ملکِ عزیز کے گبھرو نوجوانوں کو بھی انہی فضولیات میں لگا دیا گیا ہے۔ بسنت کا میلہ ختم ہونے نہیں پایا کہ میڈیا کے ذریعہ ''ویلنٹائن ڈے'' کا شور برپا کر دیا گیا ہے۔ بتایا جائے گا کہ ساری دنیا میں محبت کا یہ دن منایا جا رہا ہے۔ آخر پاکستانی ہی پیچھے کیوں رہ جائیں اور ان دونوں میلوں کے ساتھ ساتھ کرکٹ میلہ بھی کئی ہفتوں تک ذہنوں پر سوار رہے گا۔ رہی یادِ خلیل علیہ السلام تو ایک عدد نمائشی بکرا یا دکھاوے کی موٹی تازی گائے، دنیا والوں کا منہ بند نہیں کر دے گی، بہت سوں کو احساسِ کمتری کا بھی شکار کر دے گی۔

درسِ عبرت:

لاہور سے شیخو پورہ تک سڑک کے سفر میں گناہ گار آنکھوں نے جگہ جگہ حقیقت رائے کی سمادھی پر پھول چڑھتے دیکھے۔ کیا شہر اور کیا گاؤں ہر جگہ پتنگ بازی ہو رہی تھی، گستاخِ رسول کے غلیظ خون سے اُڑنے والے چھینٹے مسلمانوں سے خوب انتقام لے رہے تھے۔ حقیقت نہ سہی، صورت اور مشابہت تو تھی اور کون نہیں جانتا کہ اس راہ میں مشابہت بھی گناہِ کبیرہ سے کم نہیں۔ اتوار کا اخبار دیکھا تو صرف لاہور شہر کی ایک بسنتی رات میں نو ہلاکتوں اور چھ سو زخمیوں کی خبر تھی۔ خبریں تو اور بھی تھیں۔ بھارت سے پاکستانی سفیر کی ملک بدری کی خبر، برادر مسلم ملک عراق پر امریکا کی چڑھائی کا وقت قریب تر آ جانے کی خبر لیکن ''زندہ دلوں'' کے پاس ان خبروں پر غور کرنے یا ان سے عبرت حاصل کرنے کا وقت کہاں؟ وہ بسنت کے پُرتعیش شب و روز میں کوئی المناک خبر سننے یا اس سے متاثر ہونے کے روادار نہیں۔ آسمان کی وسعتیں ان کی پتنگوں سے اَٹی پڑی تھیں۔ وہ اس وقت بہت اونچا اُڑ رہے تھے۔ اتنا اونچا کہ جہاں بینائی کھو جاتی ہے، شعور گم ہو جاتا ہے، عقل کند ہو جاتی ہے۔ بصیرت جواب دے جاتی ہے، غیرت مر جاتی ہے اور انسان ظلمت کو ضیا صرصر کو صبا، طوطا چشمی کو وفا اور مردہ دلی کو زندہ دلی کی عطا سمجھنے لگتا ہے۔

کیا ہر تفریح جائز ہے؟

ایک سوال اٹھا ہے اور پورے زور وشور سے اٹھا ہے، ایسے حلقوں میں بھی اٹھا ہے جہاں اس قسم کے سوالات اٹھانے کا رواج ہی نہیں۔ اس سوال کو اٹھانے میں چند اہل دل کا درد دل شامل ہے۔ وہ قومی سرمایہ کے ضیاع، جانوں کی ہلاکت، دشمنانِ اسلام کی نقالی اور شعائر اسلام کی توہین وتحقیر برداشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے ہوا کا رخ دیکھ کر جان لیا کہ اگر اس طوفان بد تمیزی کے سامنے بند نہ باندھا گیا تو یہ طوفان پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، پھر چند دیوانے ہی نہیں ڈوبیں گے بلکہ لب ساحل پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے والوں کو بھی غرقابی سے کوئی نہیں بچا سکے گا، اگر چہ ہوا تند و تیز تھی لیکن دل والوں نے شب دیجور میں چراغ جلا کر رکھ دیا ہے تا کہ ''جسے مرنا ہے وہ اتمام حجت کے بعد مرے اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی اتمام حجت کے بعد زندہ رہے۔'' انہوں نے منبر ومحراب سے صحافت اور اشاعت کے بلند مینار سے آوازِ حق بلند کی ہے، مردہ دلوں کو جھنجوڑا ہے، تاریخی اور مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ تم جشنِ بہاراں کے نام پر جو کچھ کر رہے ہو یہ آوارگی ہے، بدتہذیبی ہے، گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ہے، اسراف ہے، سودی قرضوں کے بوجھ تلے سسکتی اور غربت اور گرانی کے جبڑوں میں جکڑی ہوئی قوم کے ساتھ بھونڈا انداق ہے۔ بات دل سے اٹھی تھی، اس میں اٹھانے والوں کا کوئی مفاد، کوئی غرض شامل نہ تھی، نہ وہ شہرت کے خواہاں تھے، نہ لیڈری چمکانا چاہتے تھے اس لیے ان کی آواز بے اثر نہیں رہی۔ کچھ لوگ متاثر ہوئے ہیں، چند پیشانیوں پر عرقِ ندامت کے موتی چمکے ہیں، چند گنگ زبانیں کھلی ہیں اور انہوں نے بسنت کی غلاظت کو تفریح کے خوشنما پردے میں چھپانے والوں سے سوال کیا ہے کہ کیا ہر تفریح جائز ہے؟

مگر یہ سوال تو صرف ان لوگوں سے کیا جا سکتا ہے جن کا ضمیر زندہ ہے، جنہوں نے دنیا داری کے بکھیڑوں کے باوجود اسلامی تعلیمات سے اپنا تعلق ٹوٹنے نہیں دیا، جو معیشت یا

معاشرت، کھیل یا ثقافت کسی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے ایک نظر کتاب وسنت پر ضرور ڈال لیتے ہیں، جن کے لیے سب سے زیادہ اہمیت شکم پروری اور شہوت پرستی کو حاصل نہیں۔ البتہ جو لوگ ثقافت اور کثافت، طہارت اور غلاظت، تفریح اور شہوت میں تفریق کے قائل نہیں اور جنہوں نے اپنی خواہشات ہی کو شریعت قرار دے رکھا ہے۔ان کی نظر میں اس سوال کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ ان کے خیال میں جائز اور ناجائز کا سوال دقیانوسیت ہے، قدامت پرستی ہے، ملائیت ہے اور ملاّ جو بھی کہے وہ غلط ہے، تنگ نظری ہے۔ یہ حضرات تفریح کہتے ہیں، آپے سے باہر ہو جانے کو، حدود و قیود کو توڑ دینے اور فلک شگاف قہقہے بلند کرنے کو، خواہ یہ قہقہے کسی تڑپتی ہوئی لاش پر بلند ہوں یا جلتے ہوئے گھر پر، کسی عفیفہ کی تار تار چادر پر ہوں یا کسی پسر گم کردہ ماں کی آہ وزاری پر۔ جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کی بجائے بھیڑیے اور چیتے کا دل پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسانی حقوق، مذہبی روایات اور اخلاقی تقاضوں کی اہمیت باقی نہیں رہتی، نفس امّارہ کی لامحدود خواہشوں ہی کو اصل اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

''تاریخ اخلاقِ یورپ'' اٹھا کر دیکھیے بازنطینوں کے ہاں سب سے زیادہ مقبول کھیل سیّافی تھا جس میں انسان کو جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسٹیڈیم میں اسّی اسّی ہزار افراد کا پُر جوش مجمع ہوتا تھا، امراء و داعیانِ دولت کے زرق برق پوشاکیں نظروں کو خیرہ کر رہی ہوتیں۔ اس مجمع کے لیے سب سے زیادہ دلچسپ، فرحت افزا اور مست کر دینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا جب ہزیمت خوردہ زخموں سے چُور ہو کر جان کنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا اور موت کے کرب میں آ کر ہچکی لیتا۔ اس وقت 80 ہزار زبانوں سے یکبارگی صدائے تحسین بلند ہوتی، اس آواز سے شہر کیا معنی، مضافاتِ شہر تک گونج اٹھتے، اس وقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشائی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔ جب خونخوار تفریحات حد سے بڑھ گئیں تو انہیں روکنے کے لیے احکام جاری کیے گئے لیکن سیلاب اتنا پر زور تھا کہ کوئی آرڈیننس اور کوئی بند اسے روک نہ سکا کیونکہ اس کھیل کے طرف دار اسے ظالمانہ عمل نہیں بلکہ تفریح سمجھتے تھے اور تفریح سے دستبردار ہونے کے لیے وہ کسی طور پر آمادہ نہ

تھے۔ آپ بازنطینوں کو چھوڑیے اپنے پتنگ باز مسلمان بھائیوں ہی کو لے لیجیے، انہیں سمجھانے والے انداز بدل بدل کر سمجھا رہے ہیں کہ بسنت اور پتنگ بازی صرف ایک گناہ کی حد تک نہیں رہا بلکہ کئی گناہوں کا مجموعہ بن چکا ہے، یہ ہندوؤں کے مذہبی تہوار کی بازگشت ہے، اس کے ڈانڈے گستاخانِ رسول سے ملتے ہیں، اس میں کروڑوں روپے اور قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ اس میں لوٹ کھسوٹ، چوری چکاری، گانا بجانا، بے پردگی، مردوزن کا مخلوط اجتماع، فضول ہوائی فائرنگ، اڑوس پڑوس بلکہ پورے شہر کی ایذاءرسانی، جوا اور شراب نوشی جیسے کئی گناہ شامل ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی حالات بھی اس قسم کی تفریحات کی اجازت نہیں دیتے۔ پتنگ بازی ان کھیلوں میں شامل ہو چکا ہے جو نئی نسل کے اخلاقی بگاڑ میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کہا جا رہا ہے اور محض خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کہا جا رہا ہے مگر ہمارے بسنت کے مارے ہوئے بعض بھائیوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ وہ ایک ہی بات بار بار دہرائے جا رہے ہیں وہ یہ کہ: ''بسنت ایک تفریح ہے اور اسلام نے تفریح کی اجازت دی ہے۔''

اس میں شک نہیں کہ اسلام تفریح کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے، وہ فطرت کے تقاضوں کو نہ دباتا ہے نہ ختم کرتا ہے بلکہ اس کا رُخ بدلتا ہے۔ کھیل کود، دل لگی اور تفریحِ طبع انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لیے اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب ودماغ پر ہر وقت فکرِ آخرت اور غمِ انسانیت چھایا رہتا تھا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے ساتھ، صحابہ کرام اور معصوم بچوں کے ساتھ دل لگی کے لیے وقت ضرور نکالتے تھے۔ کشتی، گھڑ دوڑ اور نیزہ بازی جیسے جنگی کھیلوں میں آپ کا عملی طور پر حصہ لینا احادیث سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اسلام میں کسی بھی قسم کے کھیل کی اجازت نہیں۔ عید کے دن کچھ حبشی بچے ڈھال اور نیزوں سے کھیل رہے تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جھجکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے حبشی بچو! کھیلتے رہو تاکہ یہود ونصاریٰ کو پتا چل جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔''

اسی طرح عید کے دن کچھ بچیاں کھیل رہی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں منع

کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوبکر! انہیں چھوڑ دو! یہ عید کے دن ہیں تاکہ یہودیوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا دین گنجائش والا ہے۔ مجھے ایسی شریعت دے کر بھیجا گیا ہے جو افراط و تفریط سے پاک اور بہت آسان ہے۔''

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دل اسی طرح اُکتانے لگتا ہے جیسے بدن تھک جاتے ہیں تو اس کے لیے حکمت کے راستے تلاش کرو۔''

یعنی کوئی ایسی تفریح اور دل لگی کی صورت اختیار کرو جس سے دل کی اُکتاہٹ دور ہو جائے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو مغموم اور پریشان دیکھتے تو دل لگی کے ذریعے اسے خوش فرما دیتے تھے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین فطرت میں فطرت کے تقاضوں کو دبایا نہیں گیا بلکہ جائز حدود میں رہتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ ایسی تفریح جس سے روح کو فرحت، جسم کو صحت اور طاقت، طبیعت میں نشاط اور چستی اور میدان جہاد میں مہارت پیدا کرتی ہو وہ صرف جائز ہی نہیں شرعاً مطلوب بھی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھڑ دوڑ، تلوار بازی اور تیر اندازی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا:

''جس نے نشانہ بازی سیکھی اور پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔''

لیکن ایسے کھیل اور تفریحات جو کسی احرام اور معصیت پر مشتمل ہوں یا جن میں مشغول ہو کر انسان اپنے دینی فرائض اور انسانی حقوق سے غافل ہو جائے یا جن کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہو یا جن کا کوئی مقصد ہی نہ ہو محض وقت گزارنے کے لیے کھیلا جائے تو شریعت ان کی اجازت نہیں دیتی یہاں تک کہ اگر نشانہ بازی، تیراکی اور دوڑ جیسے جہادی کھیلوں میں بھی یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو ان کی موجودگی میں ان کھیلوں کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر گھڑ دوڑ

میں جوا کھیلا جائے یا شرعی ستر کا اہتمام نہ ہو یا اس میں لگ کر نماز چھوڑ دی جائے تو اس سے منع کر دیا جائے گا۔ ان تصریحات کو سامنے رکھ کر پتنگ بازی، کرکٹ، کبوتر بازی اور ویڈیو گیمز جیسے کھیلوں پر نظر ڈالی جائے جنہیں میڈیا کے ذریعے مقبول عام بنا دیا گیا ہے کہ ان میں شریعت کے کتنے احکام کو پامال کیا جاتا ہے، کتنے قیمتی اوقات کو ضائع کیا جاتا ہے، کتنا سرمایہ برباد کیا جاتا ہے، کتنی بے پردگی اور بے حیائی ہوتی ہے، کتنے حقوق و فرائض کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور نجانے کتنے ناجائز امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب باتیں تو ان کے لیے ہیں جن کے ضمیر زندہ ہیں، جن کا اسلام سے تعلق باقی ہے، جو جائز اور ناجائز کی تمیز کے قائل ہیں اور جو اس تمیز کو کھو چکے ہیں ان کے لیے تو بس دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

کیا ہر تفریح ناجائز ہے؟

تو بات صرف اتنی سی ہے کہ مقصد اور وسیلہ کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور شریعت کے تقاضوں اور حد بندیوں کو پامال نہ کیا جائے ورنہ کتاب وسنت پر نظر رکھنے والا کوئی عالم، زہد وتصوف کے لباس میں ملبوس کوئی صوفی اور مسندِ رشد وہدایت پر بیٹھا ہوا کوئی شیخ مطلقاً تفریح کو حرام نہیں کہہ سکتا۔ وہ حضرات سراسر بدگمانی، ضد اور تعصب کا شکار ہوئے ہیں جنہوں نے بعض ناروا کھیلوں پر اہلِ علم کی تنقید سن کر اپنے قلم اور زبان سے تابڑ توڑ حملوں کی بوچھاڑ کردی ہے اور ''ملاّ'' کو ہدف بنا کر اس پر چاند ماری شروع کردی ہے۔ وہ پینترے بدل بدل کر وار کر رہے ہیں اور انداز بدل بدل کر سوالات کر رہے ہیں کہ آخر یہ مولوی لوگ چاہتے کیا ہیں؟ جو نئی چیز آتی ہے اس کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ اسپیکر ایجاد ہوا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی، شمس وقمر کی تسخیر ہوئی تو اس کا انکار کر دیا، اب یہ کھیل کود کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ گئے ہیں، یہ پوری امت کو بسم اللہ کے گنبد میں بند کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی کوشش تو یہ ہے کہ پوری قوم ہاتھ میں تسبیح پکڑ کر مسجد میں بیٹھ جائے، چہروں پر خشونت، مزاج میں کرختگی، بات چیت میں سختی ہو، نہ کوئی ہنسے نہ کوئی مسکرائے، نہ خوشی کا اظہار نہ جشن نہ تہوار، بس ہر وقت رونا دھونا، آہیں اور سسکیاں۔ آخر ہم انسان ہیں، ہمارے سینے میں بھی دل ہے، ہمارے بھی کچھ جذبات ہیں، یہ جذبات اظہار چاہتے ہیں۔ یہ ہلاّ گلاّ، یہ کھیل کود یہ ہاؤ ہو طبعی جذبات کے اظہار ہی کی تو صورت ہیں۔ اگر ان جذبات کے اظہار پر پابندی لگائی گئی تو گھٹن پیدا ہوگی، نوجوان نسل بغاوت کی راہ پر چل پڑے گی۔ آپ جب بسنت کو ہندوؤں کی نقالی، ویلنٹائن ڈے کو مغربی اقوام کی تقلید، نئے سال کی آمد پر ''ہاؤ ہو'' کو فسق وفجور، اپریل فول منانے کو گناہ کبیرہ، رقص وسرور کو فحاشی، فلم اور ڈرامہ کو بے حیائی، ویڈیو گیمز کو بے راہ روی، گانا سننے سنانے کو حرام قطعی، کبوتر بازی اور مرغ بازی کو شیطانی عمل اور کرکٹ کو وقت کا ضیاع قرار دے دیں گے تو خود ہی سوچیے کہ کیا معاشرہ میں گھٹن پیدا نہیں ہوگی؟ نوجوانوں کے جذبات کا

خون نہیں ہوگا؟ اور کیا وہ سوال کرنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے کہ کیا ہم مسلمانوں کے لیے ہر تفریح حرام ہے؟ اور کیا ایک آئیڈیل مؤمن بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کی شگفتگی، خوش مزاجی اور تفریح سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے؟ تو ان جارحانہ سوالات کا جواب یہ ہے کہ نہیں ہرگز نہیں۔

دین کا کوئی مبلغ، کوئی داعی، کوئی مجاہد اور کوئی خادم بلا تفریق ہر تفریح، ہر دل لگی اور ہر خوش مزاجی کو حرام نہیں کہہ سکتا۔ یہ علماء تو اس عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں جس کی شگفتگی اور خوش طبعی کے واقعات جماعت انبیاء میں سب سے نمایاں ہیں۔ ایک طرف آپ کا قلب مبارک عرفانِ الٰہی میں ڈوبا رہتا تھا اور انسانیت کا درد آپ کو بے چین رکھتا تھا، شب کی تنہائی میں جب آپ پر گریہ طاری ہوتا تو سینے سے یوں آواز نکلتی جیسے ہنڈیا اُبل رہی ہو۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال سے، معصوم بچوں سے اور صحابہ کرام سے ہنسی مذاق بھی فرمایا کرتے تھے۔ چہرہ مبارک ہر وقت بشاش رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص سے مسکراتے چہرے سے ملتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں بیسیوں واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن یہ مختصر سا کالم ان کے ذکر کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

ہم تو صرف یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کررہے ہیں کہ اسلام تنگ دلی، مایوسی اور رہبانیت کا مذہب نہیں ہے، اس میں انسان کے جائز طبعی تقاضوں کی تکمیل کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلام میں انسانی جذبات کے اظہار کے مواقع بھی ہیں اور خوشی کے تہوار بھی، مزاح کی نمکین بھی اور کھیل کود و تفریح کی اجازت بھی، لیکن جو کچھ بھی ہے اس کے کچھ حدود اور اصول ہیں۔ اسلام مسلمان کو بے لگام نہیں چھوڑتا کہ وہ تفریح طبع کے نام پر جس وادی میں چاہے منہ مارے اور شہوانی پیاس بجھانے کے لیے جس چشمہ سے چاہے سیراب ہوتا رہے۔ پھر یہ چیز بھی ہے کہ اسلام کھیل کود اور مزاح وظرافت کو محض وسائل کا درجہ دیتا ہے، زندگی کا مقصد بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ مسلمان کی زندگی انتہائی قیمتی متاع ہے، یہ متاع کوڑا کرکٹ خریدنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ہیرے اور جواہر حاصل کرنے کے لیے ہے۔ جہنم کا ایندھن اکٹھا کرنے کے لیے نہیں ہے، جنت کی

راہوں پر چلنے کے لیے ہے۔ یہ کیا ہوا کہ کافر کی زندگی کا مقصد بھی فلم، اسٹیج، ہلڑ بازی اور کھیل کود کے میدان میں نام پیدا کرنا ہو اور مسلمان کی زندگی کا بھی مقصد یہی ہو۔ جبکہ آج صورت یہ ہے کہ مسلمان مردوں ہی نے نہیں بے شمار مسلمان خواتین نے بھی اپنی زندگی کا مقصد کھیل کود کو بنالیا ہے، وہ ساری زندگی کھیل ہی کے لیے وقف ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کا کھیلنا اس لیے نہیں ہوتا کہ جسم مضبوط ہو، ذہن کو تراوٹ حاصل ہو، طبیعت میں تازگی اور نشاط پیدا ہو اور پھر اس تازگی اور صحت سے فائدہ اٹھا کر وہ کوئی ایسا کام کر سکیں جس میں ملک وملت کا فائدہ ہو، بلکہ وہ تو جسم کی مضبوطی، طبیعت کی تازگی اور ذہن کی تراوٹ اس لیے حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ طویل عرصہ تک کھیل سکیں۔ پھر جب ان کھلاڑیوں کو قومی ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے، انہیں گراں قدر انعامات سے نوازا جاتا ہے، ملٹی نیشنل کمپنیاں انہیں اپنے اشتہارات میں اسپانسر کرتی ہیں، سائنسدانوں، علماء، اساتذہ اور قوم کے محسنوں کو وہ عزت نہیں دی جاتی جو ان کھلاڑیوں کو دی جاتی ہے تو پھر ان کی دیکھا دیکھی نئی نسل کے ہر فرد کے دل میں کھلاڑی اور خاص طور پر کرکٹر بننے کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ آج کل کرکٹ ہی وہ کھیل ہے جسے میڈیا کے زور پر مسلمانوں کے ذہنوں پر مسلط کر دیا گیا ہے، چنانچہ ہر پارک، ہر گلی اور بازار کرکٹ کا میدان بن کر رہ گیا ہے اور ہر دفتر اور اسکول کمنٹری کی آواز سے گونج رہا ہے، پھر اس فضول کام میں انہماک کا عالم یہ ہے کہ ملازمین اپنے فرائض سے، والدین اپنی ذمہ داریوں سے، اولاد والدین کے حقوق سے اور بندے اللہ کی عبادت سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں۔

بعض معاصر کالم نگاروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ جب علماء کرام کو پتنگ بازی، کرکٹ اور ویڈیو گیمز وغیرہ میں اتنی ساری خرابیاں نظر آتی ہیں تو آخر وہ ایسے کھیلوں کا تعین کیوں نہیں کر دیتے جو ان کی نظر میں شرعاً جائز اور ان خرابیوں سے پاک ہیں۔ یہ سوال بہت پرانا ہے۔ جب یہ سوال اٹھایا گیا تھا اسی وقت اس کا جواب بھی دے دیا گیا تھا جس کا خلاصہ آج کی آسان زبان میں یہ ہے:

(الف) ہر وہ کھیل جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا وہ ناجائز ہے۔

(ب) جس کھیل میں دین یا دنیا کا کوئی قابل اعتبار فائدہ ہو وہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں مشغولیت کی وجہ سے شریعت کے کسی حکم کی پامالی نہ ہو۔

(ج) جس کھیل سے دین یا دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا ہو لیکن اس میں کوئی خلاف شریعت چیز شامل ہو جائے تو وہ ناجائز ہے، جیسے تیر اندازی یا گھڑ دوڑ وغیرہ میں جب قمار اور جوئے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو یہ ناجائز ہوگا، یونہی کوئی ایسا کھیل جو کفار کے ساتھ مخصوص ہو تو اس کی مشابہت کی وجہ سے وہ بھی ناجائز ہوگا۔ اس وضاحت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، والی بال، لان ٹینس، بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس وغیرہ فی نفسہ جائز ہیں بشرطیکہ شریعت کی رعایت کی جائے لیکن جب ان کھیلوں کو زندگی کا مقصد بنالیا جائے، ان کی خاطر خانگی ذمہ داریاں ہی نہیں اللہ کی عبادت بھی فراموش کردی جائے، بے پردگی، مرد و زن کا اختلاط، ڈانس اور ناچ بھنگڑے کو ان کھیلوں کا حصہ بنالیا جائے تو پھر بہر صورت ان سے منع کیا جائے گا خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض کیونکہ اللہ والے کہہ گئے ہیں۔

سارا جہاں ناراض ہو، پروا نہ چاہیے

وہ علمائے کرام جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ ساتھ امت کی پستی، زوال اور مظلومیت کا درد بھی عطا کیا ہے ان پر لازم ہے کہ وہ طعن و تشنیع کی پرواہ کیے بغیر اپنے اپنے حلقہ اثر میں مذکورہ کھیلوں میں درآنے والی قباحتوں کو بیان کریں۔ اگر انہوں نے منکرات اور گناہوں پر مشتمل کھیلوں سے قوم کو منع کرنے کی ذمہ داری میں تغافل برتا تو پھر ان کے خاندان میں بھی علماء نہیں کرکٹر اور فنکار ہی پیدا ہوں گے اور یہ وبائی کھیل اسکول، کالج تک محدود نہیں رہیں گے، دینی مدارس بھی ان کی لپیٹ میں آجائیں گے...... خدا کرے کہ ایسا کبھی نہ ہو۔

دو قومی نظریے کی موت

قاری منصور احمد

ایک عبرت آموز واقعہ:

• کٹے ہوئے گلے سے خون کا دھارا تیزی سے بہہ رہا تھا، حواس باختہ باپ کے کپڑے اور ہاتھ بھی خون سے لت پت تھے۔ پہلی نظر میں یونہی لگتا تھا کہ باپ نے بیٹے کا گلا خود ہی کاٹا ہے۔ ہسپتال پہنچنے تک کافی خون بہہ چکا تھا۔ باپ کی منت سماجت نے ایمرجنسی وارڈ میں فلمی صفحے میں مگن ڈاکٹر کو متوجہ کیا تو ڈاکٹر نے معمول کی کارروائی کے مطابق اشارے سے بچے کو بیڈ پر لٹانے کا حکم صادر فرمایا۔ بڑے اطمینان سے تشریف لائے اور اسٹیتھو اسکوپ سے سینہ اور ہاتھ سے نبض ٹٹولی اور مایوسی سے گردن ہلادی۔ عملے نے باپ کو تھانے جانے کا مشورہ دیا لیکن غمزدہ اور سیانے باپ نے گھر کی راہ لی کہ بچہ اگر وقت پر اسکول نہیں پہنچ سکا تو قبرستان تو وقت پر پہنچ جائے۔ اسکول سے واپسی کا وقت ہو چلا تھا کہ باپ خون میں لتھڑے بیٹے کے ساتھ گھر پہنچا، ماں دیر تک سکتے کی حالت میں بچے کو دیکھتی رہی پھر دھڑام سے گر پڑی۔ اڑوس پڑوس سے جلد ہی ایک ہجوم جمع ہو گیا۔

کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کب ہوا؟

باپ تو بے ہوش ماں کو ہوش میں لانے کی فکر میں تھا، اس لیے تصویر کے لیے آنے جانے والے نامہ نگار نے تفصیل بتائی کہ بچہ باپ کے آگے موٹر سائیکل پر سوار تھا۔ پتنگ کی تنی ہوئی ڈور عین گلے پر آٹھہری۔ موٹر سائیکل کی رفتار نے اسے چھری بنادیا۔ بریک لگنے تک بھل بھل کرتا گرم خون زمین تک پہنچ چکا تھا۔ تفصیل اختتام کو پہنچی تو محلے میں ''بوکاٹا'' کا شور ابھرا۔ بھونپو بجے اور تھوڑی دیر میں ایک کٹی ہوئی پتنگ اسی صحن میں آگری جہاں اس سے پہلے بھی ایک پتنگ کٹی ہوئی تھی۔

دوسرا واقعہ:

اب آیئے! ایک اور منظر دیکھتے ہیں:

بجلی کے تار چھت سے دو تین فٹ کے فاصلے پر ہوں گے۔ منڈیر پر کھڑے دو بچے تاروں میں اٹکی پتنگوں کے حصول کی ترکیب لڑا رہے تھے۔ ایک نے منڈیر سے آگے جھک کر ہاتھ بڑھایا، ناکامی پر دونوں نے مشورہ کیا۔ چھوٹے نے ٹانگیں پکڑیں، بڑا کچھ آگے بڑھ کر منڈیر پہ لٹک گیا۔ بڑھا ہوا ہاتھ پتنگ کی بجائے ننگے تار پر پڑا۔ روشنی کا ایک جھماکا اور پھر گوشت جلنے کی بو، چھوٹا جھٹکے سے گرا اور پھر اُٹھ کر تیزی سے نیچے بھاگا۔ جتنی دیر میں گھر والے اوپر پہنچے تاروں میں جھولتا بچہ کباب بن چکا تھا۔

یہ واقعہ جاوہ موڑ جہلم کا ہے اور میرا چشم دید ہے جب کہ پہلا پاکستان کے دل زندہ دلانِ لاہور کی ''زندہ دلی'' کا شاہکار ہے۔ اگلے دن کے اخبارات میں ان دو خبروں کے ساتھ اور بھی دو خبریں تھیں۔ ایک میں گورنر پنجاب کا ارشاد تھا اور دوسری میں بال ٹھاکرے کا۔

گورنر پنجاب اور بال ٹھاکرے کے بیان پر تبصرہ:

''بسنت منانے میں کوئی حرج نہیں'' ارشاد گورنر تھا اور ''بسنت مناتے ہوئے مارے جانے والے شہید ہیں۔'' ہندوستان کے متعصب اور مسلم دشمنی میں انتہا پسند ہندو لیڈر کا طنز تھا۔

کوئی حرج نہ ہونے کی وجہ سے آنے والے دنوں میں ''شوقِ شہادت'' فزوں تر ہوتا گیا۔ پھر خبریں مسلسل آنے لگیں۔ بجلی کے بار بار بند ہونے کی، بیسیوں کے مرنے اور سیکڑوں کے زخمی ہونے کی، فائرنگ کی، پرشور گانوں کی، زرد کپڑوں میں ملبوس لڑکوں اور لڑکیوں کے اجتماعی رقص کی۔ غیر مسلم سفیروں کے ساتھ جوان لڑکیوں کے کندھے سے کندھا ملا کر بوکاٹا کرنے کی۔ ملے گلے کی۔ جام لنڈھانے کی۔

آخر اس سب کچھ میں حرج ہی کیا ہے؟ اس سے تو ثقافت پروان چڑھتی ہے۔ معیشت مضبوط ہوتی ہے۔ ہمسایہ ملکوں کے تعلقات میں فروغ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ گھٹن دور ہوتی ہے۔ مولوی تو ایسے ہی تفریح سے روکتے رہتے ہیں، رجعت پسند ہیں، جدید تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ جنریشن گیپ کو نہیں سمجھتے۔ بسم اللہ کے گنبد میں بند ہیں۔ آخر تھوڑی سی تفریح میں کیا حرج ہے؟

اب جبکہ بال ٹھاکرے جو ایک بڑے ملک کا بڑا لیڈر ہے، اس کی تائید بھی سامنے آ چکی ہے، اس کے بعد کسی اور کے فرمودات کی کیا حیثیت ہے؟ اس نے تو ایک اور بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ اگر ہم تقسیم سے پہلے بھی اسی جوش و خروش سے بسنت مناتے تو پاکستان بنانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ بلکہ مزید تھوڑی سی ہم آہنگی پیدا کر لی جائے تو پھر بہت سی چیزوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً 7 لاکھ فوج رکھنے کی، ایٹم بم بنانے کی، 27 فیصد دفاع پر خرچ کرنے کی، الگ ملک بنانے کی، کشمیر میں بندے مروانے کی۔

اور اگر طرز زندگی میں تھوڑی سے تبدیلی کر لی جائے تو محبت اور دولت کے دھارے دونوں ملکوں میں بہنے لگیں گے۔ اگر عید کے ساتھ ہولی اور دیوالی منالی جائے، مقبوضہ کشمیر ہندوستان کے پاس ہی رہنے دیا جائے بلکہ خیر سگالی کے طور پر تھوڑا سا گلگت بھی دے دیا جائے، بہار کے آغاز پر بسنت منانے کا دائرہ ذرا وسیع کرلیا جائے اور اس خوشی کے موقع پر پچاس ساٹھ شہید بھی برداشت کر لیے جائیں۔ دونوں ممالک کی سرحدیں کھول دی جائیں، ثقافتی وفود کا تبادلہ ہو ''پاک سرزمین شاد باد'' کے ساتھ ساتھ ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' بھی شامل کرلیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

اگر غور کریں تو واقعی کوئی حرج نہیں، سوائے اس کے کہ پھر پاکستان کا جواز ختم ہو جائے گا اور دو قومی نظریہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

پتنگوں پر خود کش حملہ

مولانا قاری منصور احمد

بسنت سر پہ آ گئی ہے اور پنجاب میں بادلوں کی آنکھ مچولی جاری ہے۔ صبح نکلتی ہے تو شام کو بادل چھا جاتے ہیں۔ سہ پہر کو سورج بادلوں سے جھانکتا ہے تو رات کے آخری پہر پر رم جھم رم جھم پھوار پڑنے لگتی ہے۔ چٹکتی دھوپ میں بہار انگڑائی لے کر مسکرانے کی کوشش کرتی ہے تو آسمان پھر سے رونے لگتا ہے۔ گویا یہ پیغام دے رہا ہے کہ تمہیں مسکرانے کا کیا حق ہے؟ تمہیں تو رونا چاہیے۔ تم پر سے تو قیامت گزر گئی ہے۔ اب ہم کیا بتائیں کہ ہم قیامت آنے پر تو تھوڑا بہت روتے ہیں لیکن جب وہ گزر جائے تو زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ پھر ہمارے ہنسنے رونے کے اوقات مقرر ہیں، ہمارا اپنا شیڈول ہے۔ جس طرح الیکشن کا ہمارا ایک شیڈول ہے اور حکومت کا اپنا ایک اسٹائل ہے۔ مثلاً: ابھی محرم میں ہم پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک روئیں گے اور پھر سارا سال ہنسیں گے مسکرائیں گے...... اس نئی نویلی دلہن کی طرح جو قد آدم آئینوں اور پھولوں سے سجے حجلہ عروسی میں کبھی روتی تھی اور کبھی ہنستی تھی۔ خاوند نے پہلے تو سمجھا کہ ''یا معز'' کا اثر ہے۔ بالآخر رہ نہ سکا تو اس دم بدم بدلتے موسم کا سبب پوچھا۔ دلہن نے شرماتے ہوئے بتایا کہ روتی تو اس لیے ہوں کہ ماں باپ کا گھر چھوٹا اور پیاروں سے جدائی ہوئی اور ہنستی اس لیے ہوں............۔

بات کہیں اور نکل گئی تذکرہ تو تھا موسم کے ہرجائی پن کا...... میں تو یہ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا کہ اگر بسنت پر بھی آسمان روتا رہا اور بادلوں کے آنسو ٹپکتے رہے تو ہمارا کیا بنے گا......؟ اس برستی برسات میں جشن بہار کیسے منائیں گے؟ گڈیاں...... پتنگ کیسے اُڑائیں گے؟ ڈیک لگا کر اس گیت ''اُڈائی جا، اُڈائی جا، اُڈائی جا'' کا مزہ کیسے لیں گے؟ ڈور میں اکڑاؤ اور پتنگ میں تناؤ کیسے آئے گا؟ کوٹھوں پر چڑھ کے بھنگڑا کیسے ڈالیں گے؟ دوسروں کے گھروں میں کیسے جھانکیں گے؟ فضا رنگین کیسے ہوگی؟ جب پتنگیں اُڑیں گی نہیں تو کٹیں گی کیسے؟ بوکاٹا کیسے ہوگا؟ جب پتنگ کٹے گی نہیں تو ان

کولوٹنے والے کیا کریں گے؟ یعنی اپنا وقت کیسے پاس کریں گے؟ پتنگوں پر ''خودکش'' حملہ کرنے والے اپنی جان کیسے قربان کریں گے؟ سب سے بڑھ کر پریشانی یہ ہے کہ ہم اپنے پڑوسی ملک سے آنے والے پیارے مہمانوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟ ان کی محبت اور یکجہتی کا مظاہرہ کیسے کریں گے؟ ہم موسم کی ناہنجاری سے بسنت کا جشن بھرپور طریقے سے نہ منا سکے تو ہماری خوشحالی اور بھرے خزانوں کا تاثر متاثر ہوسکتا ہے۔ رواداری، امن، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا اظہار کیسے ہوگا؟ دہشت گردی اور مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ہماری کوششوں پر بھی پانی پھر سکتا ہے۔

بسنت ہمارا قومی تہوار ہے گو سندھ، سرحد اور بلوچستان والے اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے۔ گزشتہ ہفتے کے ایک قومی اخبار کی تحقیق کے مطابق یہ ہمارا مذہبی تہوار بھی ہے کیونکہ یہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے دور میں شروع ہوا تھا۔ گو ایم ایم اے والے اس بات کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ تہوار خواجہ نظام الدین علیہ الرحمہ کے دور سے نہیں بلکہ خواجہ ناظم الدین کے دور سے شروع ہوا ہے۔ خیر جب بھی شروع ہوا ہو ہم کون سا ایم ایم اے والوں سے ڈرتے ہیں بلکہ ہم تو کسی سے بھی نہیں ڈرتے سوائے امریکا کے۔

بہرحال دنیا اُمید پر زندہ ہے لیکن محکمہ موسمیات والوں نے یہ کہہ کر اس اُمید پر پانی پھیر دیا ہے کہ بسنت پر بھی بارش ہوگی۔ لگتا ہے اس محکمے میں بھی مذہبی انتہا پسند گھس گئے ہیں جو اس طرح کی پیش گوئیاں کرکے پوری قوم کے جذبات کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔ ورنہ پہلے لوگ محکمہ موسمیات کی پیش گوئیوں کے مفہوم مخالف کو معتبر جان کر موسم کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ غصہ تو ہمیں اس محکمے کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں پر ہے لیکن فی الحال ان کا کوئی تعلق موسم کی خرابی سے جوڑنا بہت مشکل ہے...... لیکن غور و خوض کرکے بادلوں اور بارش کا کوئی تعلق القاعدہ اور دینی مدارس سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں اس بات پر بھی نہ صرف غور کرنا چاہیے بلکہ جلد عملی قدم بھی اُٹھانا چاہیے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں ہم خوشی اور مسرت کے اظہار کے لیے پسماندہ طریقے ہی کیوں اختیار کرتے ہیں؟ ہمیں دھاگے کی ڈور اور کاغذ کی پتنگ پر ہی اصرار کیوں ہے؟ اس کمپیوٹرائزڈ زمانے میں واٹر پروف پتنگیں بنا کر انہیں ریموٹ کنٹرول سے کیوں

نہیں اُڑایا جاسکتا؟ پیچ لڑانے اور ڈور کاٹنے کی بجائے زد میں آنے والے پتنگ کو دھماکے سے اُڑادیا جائے۔ چند سینٹی میٹر کا ایک ننھا منا سا کیپسول ٹائپ میزائل پتنگ کے اندر ہی نصب کیا جاسکتا ہے۔

پھر بسنت کے اس سارے سسٹم کو بین الاقوامی نیٹ ورک سے منسلک کیا جاسکتا ہے۔ پوری دنیا میں بسنے والے پاکستانی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بذریعہ انٹرنیٹ اس قومی تہوار میں شریک ہوسکیں گے۔ اسکرین پر اُڑتی پتنگیں کی بورڈ (Key Board) کے ذریعے کنٹرول ہوں گی۔ جس کی پتنگ کٹے گی اس کی ذلت کا تماشا ساری دنیا دیکھے گی۔ ہماری عزت میں اضافہ ہوگا۔ زرِمبادلہ بڑھے گا اور ملکی معیشت مضبوط ہوگی۔ ممکن ہے آپ سوچتے ہوں کہ بسنت سے ہماری عزت کیسے بڑھے گی اور معیشت کیسے مضبوط ہوگی؟ تو عرض یہ ہے کہ عوام کے سوچنے کا کام نہیں ہے، نہ ان کا یہ ایشو ہے۔ مذہبی لوگ آپ کو ورغلائیں تو ان کے بہکاوے میں نہ آئیں...... بلکہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں سچا مسلمان بھی ہوں اور پکا پاکستانی بھی۔

کمپیوٹرائزڈ بسنت

مولانا قاری منصوراحمد

بسنت سر پہ آ گئی ہے اور پنجاب میں بادلوں کی آنکھ مچولی جاری ہے۔ صبح نکلتی ہے تو شام کو بادل چھا جاتے ہیں۔ سہ پہر کو سورج بادلوں سے جھانکتا ہے تو رات کے آخری پہر پر رم جھم رم جھم پھوار پڑنے لگتی ہے۔ چٹکتی دھوپ میں بہار انگڑائی لے کر مسکرانے کی کوشش کرتی ہے تو آسمان پھر سے رونے لگتا ہے۔ گویا یہ پیغام دے رہا ہے کہ تمہیں مسکرانے کا کیا حق ہے؟ تمہیں تو رونا چاہیے۔ تم پر سے تو قیامت گزر گئی ہے۔ اب ہم کیا بتائیں کہ ہم قیامت آنے پر تو تھوڑا بہت روتے ہیں لیکن جب وہ گزر جائے تو زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ پھر ہمارے ہنسنے رونے کے اوقات مقرر ہیں، ہمارا اپنا شیڈول ہے۔ جس طرح الیکشن کا ہمارا ایک شیڈول ہے اور حکومت کا اپنا ایک اسٹائل ہے۔ مثلاً: ابھی محرم میں ہم پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک روئیں گے اور پھر سارا سال ہنسیں گے مسکرائیں گے...... اس نئی نویلی دلہن کی طرح جو قد آدم آئینوں اور پھولوں سے سجے حجلہ عروسی میں کبھی روتی تھی اور کبھی ہنستی تھی۔ خاوند نے پہلے تو سمجھا کہ ''یا معز'' کا اثر ہے۔ بالآخر رہ نہ سکا تو اس دم بدم بدلتے موسم کا سبب پوچھا۔ دلہن نے شرماتے ہوئے بتایا کہ روتی تو اس لیے ہوں کہ ماں باپ کا گھر چھوٹا اور پیاروں سے جدائی ہوئی اور ہنستی اس لیے ہوں...... ۔

بات کہیں اور نکل گئی تذکرہ تو تھا موسم کے ہرجائی پن کا...... میں تو یہ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا کہ اگر بسنت پر بھی آسمان روتا رہا اور بادلوں کے آنسو ٹپکتے رہے تو ہمارا کیا بنے گا......؟ اس برستی برسات میں جشن بہار کیسے منائیں گے؟ گڈیاں...... پتنگ کیسے اُڑائیں گے؟ ڈیک لگا کر اس گیت ''اُڈائی جا، اُڈائی جا، اُڈائی جا'' کا مزہ کیسے لیں گے؟ ڈور میں اکڑاؤ اور پتنگ میں تناؤ کیسے آئے گا؟ کوٹھوں پر چڑھ کے بھنگڑا کیسے ڈالیں گے؟ دوسروں کے گھروں میں کیسے جھانکیں گے؟ فضا رنگین کیسے ہوگی؟ جب پتنگیں اُڑیں گی نہیں تو کٹیں گی کیسے؟ بوکاٹا کیسے ہوگا؟ جب پتنگ کٹے گی نہیں تو ان

کو لوٹنے والے کیا کریں گے؟ یعنی اپنا وقت کیسے پاس کریں گے؟ پتنگوں پر ''خودکش'' حملہ کرنے والے اپنی جان کیسے قربان کریں گے؟ سب سے بڑھ کر پریشانی یہ ہے کہ ہم اپنے پڑوسی ملک سے آنے والے پیارے مہمانوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟ ان کی محبت اور یکجہتی کا مظاہرہ کیسے کریں گے؟ ہم موسم کی نا ہنجاری سے بسنت کا جشن بھرپور طریقے سے نہ منا سکے تو ہماری خوشحالی اور بھرے خزانوں کا تاثر متاثر ہوسکتا ہے۔ رواداری، امن، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا اظہار کیسے ہوگا؟ دہشت گردی اور مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ہماری کوششوں پر بھی پانی پھر سکتا ہے۔

بسنت ہمارا قومی تہوار ہے گو سندھ، سرحد اور بلوچستان والے اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے۔ گزشتہ ہفتے کے ایک قومی اخبار کی تحقیق کے مطابق یہ ہمارا مذہبی تہوار بھی ہے کیونکہ یہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے دور میں شروع ہوا تھا۔ گو ایم ایم اے والے اس بات کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ تہوار خواجہ نظام الدین علیہ الرحمہ کے دور سے نہیں بلکہ خواجہ ناظم الدین کے دور سے شروع ہوا ہے۔ خیر جب بھی شروع ہوا ہو ہم کون سا ایم ایم اے والوں سے ڈرتے ہیں بلکہ ہم تو کسی سے بھی نہیں ڈرتے سوائے امریکا کے۔

بہرحال دنیا اُمید پر زندہ ہے لیکن محکمہ موسمیات والوں نے یہ کہہ کر اس اُمید پر پانی پھیر دیا ہے کہ بسنت پر بھی بارش ہوگی۔ لگتا ہے اس محکمے میں بھی مذہبی انتہا پسند گھس گئے ہیں جو اس طرح کی پیش گوئیاں کر کے پوری قوم کے جذبات کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔ ورنہ پہلے لوگ محکمہ موسمیات کی پیش گوئیوں کے مفہوم مخالف کو معتبر جان کر موسم کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ غصہ تو ہمیں اس محکمے کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں پر ہے لیکن فی الحال ان کا کوئی تعلق موسم کی خرابی سے جوڑنا بہت مشکل ہے...... لیکن غور و خوض کر کے بادلوں اور بارش کا کوئی تعلق القاعدہ اور دینی مدارس سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں اس بات پر بھی نہ صرف غور کرنا چاہیے بلکہ جلد عملی قدم بھی اُٹھانا چاہیے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی اس ترقی یافتہ دور میں ہم خوشی اور مسرت کے اظہار کے لیے پسماندہ طریقے ہی کیوں اختیار کرتے ہیں؟ ہمیں دھاگے کی ڈور اور کاغذ کی پتنگ پر ہی اصرار کیوں ہے؟ اس کمپیوٹرائزڈ زمانے میں واٹر پروف پتنگیں بنا کر انہیں ریموٹ کنٹرول سے کیوں

نہیں اُڑایا جاسکتا؟ پیچ لڑانے اور ڈور کاٹنے کی بجائے زد میں آنے والے پتنگ کو دھماکے سے اُڑادیا جائے۔ چند سینٹی میٹر کا ایک ننھا منا سا کیپسول ٹائپ میزائل پتنگ کے اندر ہی نصب کیا جاسکتا ہے۔

پھر بسنت کے اس سارے سسٹم کو بین الاقوامی نیٹ ورک سے منسلک کیا جاسکتا ہے۔ پوری دنیا میں بسنے والے پاکستانی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بذریعہ انٹرنیٹ اس قومی تہوار میں شریک ہوسکیں گے۔ اسکرین پر اُڑتی پتنگیں کی بورڈ (Key Board) کے ذریعے کنٹرول ہوں گی۔ جس کی پتنگ کٹے گی اس کی ذلت کا تماشا ساری دنیا دیکھے گی۔ ہماری عزت میں اضافہ ہوگا۔ زرِمبادلہ بڑھے گا اور ملکی معیشت مضبوط ہوگی۔ ممکن ہے آپ سوچتے ہوں کہ بسنت سے ہماری عزت کیسے بڑھے گی اور معیشت کیسے مضبوط ہوگی۔ تو عرض یہ ہے کہ عوام کے سوچنے کا کام نہیں ہے، نہ ان کا یہ ایشو ہے۔ مذہبی لگ آپ کو ورغلائیں تو ان کے بہکاوے میں نہ آئیں...... بلکہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں سچا مسلمان بھی ہوں اور پکا پاکستانی بھی۔

گھاٹے کا سودا

اوریا مقبول جان

دونوں میاں بیوی مکھن پورہ کے ایک متوسط رہائشی علاقے میں مقیم تھے۔ مبین شاہد کے پاس ایک موٹر سائیکل تھی جس پر وہ اپنے تین سالہ جگر گوشے فہیم اور اپنی بیوی کو لے کر بازار جاتا یا کسی دوست، رشتے دار سے ملنے کے لیے۔ اس دن بھی شام کے وقت وہ اپنے نورِ نظر کو موٹر سائیکل کی ٹینکی پر بٹھائے اپنی بیوی کے ہمراہ جا رہا تھا۔ ننھا فہیم اس سوچ میں خوش تھا کہ وہ اپنے نانا اور نانی سے ملے گا۔ محبتوں کے جلو میں جب یہ چھوٹا سا قافلہ مزنگ کے قریب پہنچا تو اچانک ننھے فہیم کی گردن سے خون کا فوارہ سا نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پورا لباس لہو سے تر ہو گیا۔ حواس باختہ باپ نے موٹر سائیکل روکی، ماں نے چیختے ہوئے بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے اس کی گردن کی طرف ہاتھ کیا تو کٹی ہوئی گردن میں تیز دھار آرے کی طرح پروئی ہوئی کٹی پتنگ کی ڈور اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ ہنستا بستا گھر تو ویران ہو گیا...... لیکن اس معصوم کا ذبح کتنی مدھر اداکاراؤں، نازنینوں، تھرکتی ناچتی بجلیوں کے چہروں کو لالی دے گیا جو اسی کٹتی پتنگ کے معرکے میں کیسٹوں پر بجتے ہوئے گانوں کی تھاپ پر جھومتی رہیں۔

اس کی عمر 14 سال تھی۔ بہنوں کا لاڈلا بھائی ندیم شاہد بٹرک کے امتحان کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ شام کو ٹیوشن پڑھنے جاتا تو ماں اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہتی۔ اس کی واپسی کے لیے دعائیں مانگتی۔ کیسی کیسی اُمیدیں اور کیسے کیسے خواب اس سے وابستہ ہوں گے جو اس کی بہنوں اور ماں نے دیکھے ہوں گے اور پھر ایک دن یہ کئی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہاتھوں میں کتابیں پکڑے کلمہ چوک کے نزدیک پہنچا تو کٹی پتنگ کی ایک ڈور اس کی گردن پر یوں پھری کہ ساری اُمیدوں، آرزوؤں اور خوابوں کے چراغ گل کر گئی۔ لاش کے سرہانے اس کی ماں خون آلود کتابیں لیے کھڑی تھی اور روتے ہوئے لاہور کے اس آسمان کو دیکھ رہی تھی جہاں عیش و عشرت کی

پتنگیں اُڑ رہی تھیں۔کلمہ چوک پر بہت بڑا خون کا دھبہ تھوڑی دیر تک رہا پھر تیز رفتار گاڑیوں کے خوفناک ٹائر اس نشان کو اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ صرف دو واقعات ہیں کہ ان کے لکھنے کے بعد یہ قلم مزید لکھنے کی تاب رکھتا ہے نہ آنسو ساتھ دیتے ہیں کہ دم بھر کو رُک جائیں اور میں اس ''خوبصورت'' ثقافت کے ہاتھوں لٹنے والے ایک ایک شخص کا مرثیہ لکھ سکوں۔وہ جو اس رنگ و نور اور عیش وعشرت کے جشن کی نذر ہو گئے۔یہ جشن میرے بچپن میں لاہور کے بدنام ترین علاقے ہیرا منڈی میں واقع میاں صلاح الدین کی ایک حویلی میں منایا جاتا تھا اور پورا لاہور اسی جگہ جا کر کوٹھوں پر بیٹھنے والی حسیناؤں کو چھتوں پر دیکھا کرتا تھا۔آج یہ پورے لاہور کو اپنے آسیب میں لے چکا ہے۔پہلے صرف ان گھرانوں کی چھتیں اس سے آباد ہوتی تھیں اب چھتیں بکتی ہیں۔پچاس ہزار سے لے کر دس لاکھ روپے تک......لیکن یہ چھتیں نہیں بکتیں اپنے ساتھ غیرت و حمیت اور شرم و حجاب کا بھی سودا کر دیتی ہیں۔

لیکن اس سودے میں گھاٹے کا ایک سودا بھی ہے جانوں کے گھاٹے کا سودا۔1995ء میں بسنت کے دن 6 افراد جان سے گئے اور دو سو شدید زخمی ہوئے۔1996ء میں 7 ہلاک ہوئے اور 250 شدید زخمی، 1997ء میں 30 ہلاک اور 800 زخمی، 1998ء میں 6 ہلاک اور 500 زخمی، 1999ء میں تین ہلاک اور 675 زخمی اور اب این جی اوز اور ملٹی نیشنل کا دور آیا۔آزادی اور لبرل ازم کا زمانہ آیا۔بسنت کی دھوم نرالی اور منانے والوں کی سرپرستی دیکھنے کے قابل تھی۔اس کا آغاز 2000ء کی بسنت میں 8 جانوں کے ضیاع اور 718 لوگوں کے زخمی ہونے اور ہاتھ پاؤں ٹوٹنے سے ہوا۔گزشتہ تین سالوں میں 42 لوگ ہلاک ہو چکے ہیں اور ہزاروں شدید زخمی۔

ان ہلاک ہونے والوں کی کہانیاں فہیم اور مبین شاہد سے مختلف نہیں تھیں۔ایسے ہی جوانوں کی لاشیں بوڑھے والدین نے اُٹھائیں اور ننھے بچوں کو چھوٹی چھوٹی قبریں کھود کر زمین کی آغوش میں دفن کیا کہ اب ماؤں کی آغوش کی گرمی ان تک پہنچ نہیں سکتی تھی......لیکن یہ ساری لاشیں اور سارے دکھ ان لوگوں کو کہاں نظر آئیں گے جو بڑے بڑے ہوٹلوں کے برآمدوں میں بسنت کے دن نشے میں دھت نظر آتے ہیں۔ہوٹل کا کمرہ کئی گنا کرایہ دے کر لیتے اور اس دن دادِ عیش

دینے کے لیے چاروں جانب سے لاہور پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ خون ان حسیناؤں کو کیسے نظر آ سکتا ہے جن کے پہناووں، اداؤں اور رنگینیوں کو قید کرنے کے لیے کیمرہ مین ان کے طواف کرتے نظر آتے ہیں اور اخباروں کے ایڈیشن ان کی تصویروں سے بھرے، لوگوں کی ذہنی عیاشی کا باعث بنتے ہیں؟ ان معصوموں کی آہ و پکار سے ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کیا سروکار جو صرف اپنا کاروبار چمکانے کے لیے اسپانسر بنتی ہیں۔ صرف دو مشروب کی کمپنیاں ہر سال ایک کروڑ روپیہ اس تہوار پر خرچ کرتی ہیں۔ کوٹھیوں، حویلیوں، دالانوں، چھتوں، ہوٹلوں اور پارکوں میں رقص میں جھومتے ہجوم کو بلند آواز میں کسی بہن کا ماتم، کسی ماں کا نوحہ یا کسی باپ کی چیخ کیسے سنائی دے سکتی ہے۔

یہاں اس بحث میں کیا جاؤں۔ اس دکھ کے آغاز کی کہانی کیا بیان کروں کہ بسنت اصل میں گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کی یاد منانے کی روایت ہے۔ اس ہندو لڑکے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور منافرت پھیلانے کے جرم میں بسنت پنچمی کے دن پھانسی دی گئی تھی اور پھر اسی روز ہندوؤں اور سکھوں کے جتھے شہر میں پھیل گئے اور مسلمانوں کا قتل عام کیا اور پھر اسی دن کی یاد میں حقیقت رائے دھرمی کے میلے پر اس کی سمادھی جو آج بھی لاہور میں ہے اس پر ہندو اور سکھ بسنت پنچمی پر پتنگیں اُڑایا کرتے تھے۔ آج یہ سمادھی تو ویران ہو چکی ہے اور لاہور میں شاید ہی کوئی اس طرف رُخ کرتا ہو...... لیکن پورا لاہور حقیقت رائے دھرمی کی سمادھی بن چکا ہے۔ وہ لاہور جو غازی علم دین جیسے عاشق رسول کی آخری آرام گاہ ہے وہاں گستاخِ رسول کے شیدائیوں کے طریقے پر عمل ہوتا ہے!! کس امانت کی امین یہ قوم اب کس نسبت سے محبت کرتی ہے؟؟؟

کٹتی گردنیں

انور غازی

11 سال کے دوران کتنی قیمتی جانیں اس قاتل ڈور کی بھینٹ چڑھیں؟ میں تین ماہ سے مسلسل اس کے متعلق معلومات اکٹھی کر رہا ہوں۔ ہر روز ایک گھنٹہ اس کام کے لیے وقف کر دیا۔ انٹرنیٹ پر ہر اعتبار سے سرچ کی۔ دس سال کے پرانے اخبارات چھان مارے۔ آج جب اعداد و شمار مکمل جمع ہوئے تو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ 1995ء سے 2006ء تک 11 سالوں میں 221 افراد ہلاک اور 6565 شدید زخمی ہوئے...... میں دہراتا ہوں...... 2 سو 21 ہلاک اور چھ ہزار 5 سو 65 شدید زخمی ہوئے...... اور اس خونی بسنت میں مرنے والوں کی داستانیں بھی ایسی ہیں کہ ان کو لکھتے ہوئے دل خون کے آنسو روتا ہے۔ آیئے! میں آپ کو اس جان لیوا کھیل کے ہاتھوں زندگی ہار جانے والوں 221 افراد میں سے صرف دو چار موت کی المناک و غمناک رپورتاژ سناتا ہوں......!

یہ کمسن معصوم بچے کی خون میں ڈوبی ہوئی لاش ہے۔ ضعیف ماں کی دلدوز چیخیں۔ صدمے سے نڈھال بوڑھا باپ۔ بھائی بہنوں کی بے بسی کا کربناک منظر...... کتنے ارمان اس ماں کے دل میں تھے؟ کتنی حسرتیں بہنوں کی تھیں جو دل کی دل ہی میں رہ گئیں؟ باپ کا سہارا بننے کی آرزو غم میں تبدیل ہو گئی۔ ماں اس کو ڈاکٹر بنانا چاہتی تھی تو باپ اس کو انجینئر دیکھنا چاہتا تھا۔ بہن اس کو پائلٹ کی صورت میں باکمال شخصیت کی لاجواب سروس دیکھنا چاہتی تھی تو بھائی اس کو کامیاب تاجر...... دروازے پر دستک ہوئی۔ ماں نے دوڑتے ہوئے دروازہ کھولا۔ سامنے ایمبولینس کھڑی تھی۔ دو آدمی اترے اور اسٹریچر کو نیچے اتارا۔ ماں باپ اور بہن بھائی قریب کھڑے پھٹی آنکھوں سے گم سم دیکھتے رہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھی ختم ہو چکے تھے...... ماں باپ کا سہارا اور بھائی بہنوں کی امیدوں کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ گویا ایک طوفان کی تیز آندھی آئی اور صحن میں جلتا ہوا دیا بجھا گئی۔ دوسرے دن تمام اخبارات میں یہ خبر نمایاں طور پر شائع ہوئی کہ لاہور میں پتنگ کی

قاتل ڈور نے معصوم بچے کی جان لے لی......!

یہ لاہور میں ''گلبرک'' نامی علاقہ ہے۔ اس کی مین سڑک پر ایک موٹر سائیکل جا رہی ہے۔ موٹر سائیکل پر ایک شخص سوار ہے۔ اس نے اپنے 3 سالہ شایان نامی بچے کو موٹر سائیکل کی ٹینکی پر بٹھایا ہوا ہے۔ اس کی بیوی بھی اس کے ہمراہ ہے۔ معصوم بچہ اس سوچ میں گم ہے کہ میں اپنے نانا نانی سے ملوں گا...... اس کی سوچ صرف یہیں تک پہنچی ہوتی ہے کہ اچانک ننھے بچے کی گردن سے خون کا فوارہ نکلتا ہے اور اس کی گردن کٹ کر گر جاتی ہے۔ اُدھر ''بوکاٹا'' کی صدا مسکراہٹوں اور قہقہوں کے ساتھ بلند ہوتی ہے اور اِدھر والدین کے لختِ جگر کا سَر تن سے جدا ہو کر ان کی گود میں گر پڑتا ہے۔ وہ کیا منظر ہو گا......!

یہ 18 سالہ فرسٹ ایئر کا طالب علم ندیم ہے۔ بہنوں کا لاڈلا بھائی جو اپنے امتحانوں کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ رات کے وقت قریب میں ہی ٹیوشن پڑھنے جاتا تھا۔ اس کی بہنیں اور ماں اس کے واپس گھر آنے تک پریشان حالت میں اس کا انتظار کرتی تھیں، اس کی سلامتی کی دعائیں مانگتی رہتی تھیں۔ نہ معلوم کیا کیا اُمیدیں اور آرزوئیں اس سے وابستہ ہوں گی۔ ایک دن کئی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہاتھوں میں کتابیں پکڑے سکول سے واپس آ رہا تھا کہ کٹی پتنگ کی دھاتی ڈور اس کی گردن پر اس طرح پھری کہ ساری امیدیں اور خوابوں کے چراغ گل کر گئی۔ اس کی بہنیں اور ماں ''زندہ دلانِ لاہور'' کی ''سنگ دلی'' پر لاش کے سامنے کھڑی خون کے آنسو رو رہی تھیں۔ اُدھر لاہور کی آزاد فضاؤں میں حسین پنچھیوں کے ''بوکاٹا'' کے نعرے بلند ہو رہے تھے تو اِدھر بہنوں کے اکلوتے بھائی کی خون آلود کتابوں سے غم زدہ الفاظ کہہ رہے تھے: ''کس جرم میں قتل کیا گیا ہے......!

یہ لاہور میں واپڈا ہاؤس کی عمارت ہے۔ اس کی بالائی منزل پر بسنت کا تہوار ہر سال بڑے زور و شور سے منایا جاتا ہے۔ یہاں پر مرد و زن کا اختلاط ہوتا ہے، رقص و سرود کے نشے میں بوکاٹا کے نعروں اور ڈھولک کی تھاپ پر پتنگوں کے ذریعے ''دل'' کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں، بالآخر ایک کی پتنگ کٹتی ہے۔ لاہور کے ایک محلّہ میں چند لڑکے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ایک کی نظر کٹی ہوئی پتنگ پر پڑ جاتی ہے۔ یہ زور سے پتنگ پتنگ کہتا ہوا پتنگ کے پیچھے دوڑ لگا دیتا ہے۔ باقی

لڑکے بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ پڑتے ہیں۔سامنے سے تیز رفتار آتی ہوئی گاڑی سے ایک دس سالہ لڑکا ٹکرا جاتا ہے جسے ہسپتال پہنچایا جاتا ہے۔دوسرے دن ہسپتال سے اس کی لاش گھر آتی ہے۔اس کی موت کا سبب صرف اور صرف دو ٹکے کی پتنگ بنی لیکن کتنی قیمتی جان لے گئی۔اُدھر ڈھولک کی تھاپ میں پتنگ کٹی ادھر معصوم بچی کی گردن کٹی......!

اب آپ ذرا ذیل میں دیئے گئے اعداد و شمار پر ایک نظر ڈالیے کہ صرف گیارہ سال کے مختصر عرصے میں کتنی قیمتی جانیں اس کی بھینٹ چڑھی ہیں۔اس کے اعداد و شمار کچھ اس طرح ہیں......!

1995ء میں بسنت کے دن 6 افراد ہلاک اور 200 زخمی ہوئے۔1996ء میں 7 افراد ہلاک اور 250 زخمی ہوئے۔1997ء میں 30 افراد ہلاک اور 809 زخمی ہوئے۔1998ء میں 16 افراد ہلاک اور تقریباً 500 زخمی ہوئے۔1999ء میں 9 ہلاک اور 675 زخمی ہوئے۔ 2000ء میں 8 1 ہلاک 718 زخمی ہوئے۔ 2001ء میں 12 ہلاک اور 366 زخمی ہوئے۔ 2002ء میں 19 ہلاک اور 790 زخمی ہوئے۔ 2003 میں 14 ہلاک اور 450 زخمی ہوئے۔ 2004ء میں 34 ہلاک اور 657 زخمی ہوئے۔ 2005 میں 29 ہلاک اور 915 زخمی ہوئے۔ 2006ء میں 13 ہلاک اور 195 زخمی ہوئے اور اس سال ''یومِ بسنت'' میں صرف ایک دن 19 ہلاک اور 400 شدید زخمی ہوئے جبکہ سال کے ختم ہونے تک نہ جانے کتنے معصوم بچوں کی گردنیں کٹیں گی؟ ان 11 سالوں میں مجموعی طور پر 221 جاں بحق ہوئے اور 6565 شدید زخمی ہوئے ہیں۔یہ 221 تعداد صرف ان کی ہے جو میڈیا کے ذریعے منظر عام پر آئی ہیں، ورنہ گمنام اموات نہ جانے کتنی ہوں گی جو اس خونی اور قاتل کھیل کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں......!

ان ہلاک ہونے والوں میں کوئی فائرنگ سے، کوئی چھتوں سے گرنے سے، کوئی پتنگ لوٹتے ہوئے گاڑی سے حادثہ کا شکار ہو گیا۔کوئی موٹر سائیکل اور بائی سائیکل پر سوار تھا کہ دھاتی تار اس کی گردن سے پار ہو گئی۔کوئی بجلی کی تار سے کرنٹ لگنے سے، کوئی لڑائی جھگڑے سے، کوئی پتنگ لڑانے کے دوران۔ان مرنے والوں میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی ہیں۔ان میں بڑے بھی ہیں اور جوان بھی۔ان میں نوجوان بھی ہیں اور معصوم ننھے منے بچے بھی جن کی گردنیں

دھاتی تاروں سے تن سے جدا ہوئیں اوران کی دکھی مائیں پتنگ بازوں کو بددعائیں دیتی رہ گئیں لیکن ان کی دُہائی کون سنتا ہے؟ ہاں! آخرت میں ان کو ضرور بدلہ ملے گا۔قرآن پاک میں آتا ہے: ''من قتل نفساً بغیر نفسٍ اَوفسادٍ فی الأرض فکأ نما قتل الناس جمیعاً.ومن اَحیاھافکأ نما اَحیاالناس جمیعا۔جس نے ایک شخص کوقتل کیاتو گویا ایسا ہےاس نے اس کی پوری نسل کوختم کردیااوراسی طرح جس نے ایک شخص کی جان بچالی وہ ایسے ہے جیسےاس نے اس کی پوری نسل بچالی ہے......!

اس وقت دنیا بھر کے مسلمانوں پر یہود ونصاریٰ ودیگر کفریہ طاقتیں نظریاتی،تہذیبی وثقافتی اور معاشی لحاظ سے گھیرا تنگ کررہی ہیں لیکن ہماری قوم جان لیوا کھیلوں میں مگن ہے۔ان کے نوجوان جدید ٹیکنالوجی کے حصول میں مصروف ہیں جبکہ ہماری جوان نسل کو''بوکاٹا'' کے نعروں سے ہی فرصت نہیں۔آج کے دور میں ہم بیرونی اوراندرونی گھمبیر مسائل کا شکار ہیں۔شہریوں کی اکثریت کے گھرانے بے روزگاری اور مہنگائی کے ہاتھوں مجبورولاچار ہیں جبکہ دوسری جانب بے فکرے لوگ اس کھیل پر لاکھوں نہیں کروڑوں لٹارہے ہیں۔صرف بسنت کی وجہ سے 2004ء میں محکمہ واپڈاکومجموعی طور پرڈھائی کروڑروپے کا نقصان ہوا تھا......!

مجھ سے ایک دوست نے پوچھا: ''آخر یہ پتنگ بازی انسان کے مال اورخوداس کی جان لینے کا سبب کیسے بن گئی اورایسی کون سی وجوہ پیش آئی ہیں کہ یہ کھیل روزبروز''خونی'' سے''خونی ترین'' بنتا جارہا ہے جبکہ پہلے کچھ بھی نہ تھا؟ نہ مالی نقصان اورنہ ہی جانی نقصان......آپ 1990 سے پہلے کی تاریخ دیکھ لیں......!

میں نے کہا: ''آٹھ وجوہ ہیں (1) اس وقت دھاتی تار استعمال نہیں ہوتی تھی۔(2) کلاشنکوفوں کی تڑتڑاہٹ بھی نہیں تھی۔(3)رات کے وقت چھتوں پر چڑھ کررت جگے اور پتنگ جگے کا باقاعدہ اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔(4)لوگ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے اورنہ ہی سٹہ بازی اورجوا ہوتا تھا۔(5)ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ادھر''توجہ''نہیں تھی،پھران کمپنیوں نے اپنے کاروبار کی وسعت کے لیے ادھر کا رُخ کیا بلکہ خونی پنجہ گاڑا۔اب اس کے ذریعے یہ کمپنیاں کروڑوں بلکہ اربوں کا سامان بیچتی ہیں۔(6) پہلے بسنت دن میں منائی جاتی تھی اوراب راتوں میں۔(7) پہلے حکومت

کی سرپرستی حاصل نہیں تھی۔ 1998ء میں نواز شریف نے فیصلہ کیا کہ بسنت کی تقریب میں حکومت بھی شامل ہوگی چنانچہ اس وقت سے باقاعدہ حکومت کی سرپرستی میں منایا جانے لگا اور اس وقت سے اس میں اعلیٰ سطحی وزراء بھی شامل ہوتے ہیں۔ 2003ء میں 245 بڑی شخصیات نے شرکت کی اور ان کا سارا انتظام ایک ملٹی نیشنل کمپنی نے کیا۔(8) پہلے اس میں لڑکیاں شامل نہیں ہوتی تھیں صرف لڑکے ہی پتنگ اڑاتے تھے لیکن جب سے لاہور کی منچلیوں نے اس میں اپنے جلوے دکھانا شروع کر دیئے ہیں تب سے ہر طرف زردی ہی زردی ہوگئی ہے۔'' بس یہ 8 اسباب ہیں اس کھیل کو خونی اور قاتل بنانے کے......!

بسنت...... میں دہراتا ہوں......خونی بسنت کی بھینٹ چڑھ جانے والے 221 افراد پوری قوم سے سوال کرتے ہیں: کیا اس مہذب زمانے میں ایسے کھیل کی گنجائش تھی جس میں ہر سال کئی افراد قتل ہو جاتے ہیں؟ کیا قوم کی ترقی کا انحصار صرف اسی کھیل پر تھا؟ کیا ہم اس کے بغیر آزاد قوم نہیں کہلا سکتے تھے؟ ہمارا ناحق خون کس کے کھاتے میں لکھا جائے گا؟ 221 لاشیں غم زدہ لہجے میں کہہ رہی ہیں ہمیں کس جرم میں قتل کیا گیا؟ اتنی بڑی تعداد میں قتل ہونے والوں کا مجرم کون ہے؟ ان کا خون کس کی گردن پر ڈالا جائے......!

ہماری بدنصیبی اس پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے تو قومی خودکشی کا فیصلہ کرلیا ہے۔ روم جلتا ہے تو جلے، نیرو کو تو بانسری بجانے سے غرض ہے۔ پاکستان کا ہر فرد جانتا ہے کہ پورا ملک اقتصادی بحران کا شکار ہے اور ہم گردن تک قرض کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم ایسے قاتل کھیلوں سے تائب ہو کر قوم اور ملک کے لیے ایک ایک پیسہ بچاتے مگر ہم نے تو گھر پھونک تماشا دیکھنے کا رویہ اپنا لیا ہے۔ تباہی کی صورت میں ملک و قوم کی قسمت کو داؤ پر لگا دیا گیا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ کیسی ثقافت ہے جو کالی دیوی کی طرح اتنی معصوم جانوں کا خون پیتی اور ملک کے وسائل کی تباہی سے خوش ہوتی اور پروان چڑھتی ہے......! 221 لاشیں سرِ راہ یہ سوال کرتی ہیں کہ کیا اب بھی ''یومِ بسنت'' منا کر قوم کے نونہالوں کے گلے کٹتے رہیں گے؟

بسنت ایک ہندوانہ تہوار

ملا معاویہ حنفی

آمد بہار:

بہار آتی ہے تو ہر طرف قدرت کے حسین نظاروں کا تا حد نگاہ ایک دلفریب منظر ہوتا ہے۔ پودے نرم و نازک کونپلوں اور خوش رنگ پھولوں سے مزین ہونے لگتے ہیں، ویرانوں میں بھی سبزہ لہلہانے لگتا ہے، پوری زمین قدرت کے عطا کردہ حسن سے بھر جاتی ہے، ایسے میں اگر کوئی شخص جنگلوں یا دیہاتوں میں نکل جائے تو فضا میں پھیلی بھینی بھینی خوشبو انسان کی روح کو تازگی اور بالیدگی عطا کرتی ہے۔ قدم قدم پر رنگ و بو کے بکھرے یہ نظارے ذاتِ حق تعالیٰ کی عظمت و ربوبیت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔ عقل و فطرت اگر سلیم ہو، ضمیر و وجدان شیطانی آلائشوں سے آلودہ نہ ہو گئے ہوں تو یہ نشانیاں رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ ان مظاہر کے مطالعہ و مشاہدہ سے ایمانی کیفیات میں اضافہ ہوتا ہے اور سلیم الفطرت انسان اپنی عبدیت کے اظہار کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں۔

لیکن اگر یہی انسان ان اعلیٰ صفات سے تہی دامن ہو تو یہ نظارے بسا اوقات گہری تاریک وادیوں اور گناہوں کی پُر خار پگڈنڈیوں کا مسافر بنا دیتے ہیں۔ ان راہوں کی نہ کوئی منزل ہوتی ہے نہ نشانِ منزل۔ پھر وہ خود بھی بھٹکتا ہے اور دوسروں کے بھٹکنے کا سبب بنتا ہے۔ تب اسے اپنے دینی عقائد و اعمال بوسیدہ، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ تہذیب معاذ اللہ دقیانوسی اور وعظ و نصیحت کی ہر آواز تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔

بسنت اور بہار:

انسان نے اپنی تفریح طبع کے لیے مختلف کھیل ایجاد کیے اور اپنی خوشی کے اظہار کے لیے مختلف دن مقرر کیے۔ ہر قوم میں ایسے تہوار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی دو مواقع

دیے جس میں وہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی خوشی اور تفریح کا بھرپور اظہار کرتے ہیں۔انہیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں موسم بہار کے شروع میں ایک تہوار منایا جاتا ہے جس کو بسنت کہتے ہیں۔فرہنگ آصفیہ میں بسنت کے لفظ کے تحت لکھا ہے:

''یہ سنسکرت کا لفظ ہے۔گل عصفر،گل کاجیر،نغمات جوش افزا تعشق انگیز کا موسم،موسم بہار، ہندی چھ رُتوں میں پہلی رُت کا نام،وہ گیت جو بسنت میلہ میں گاتے ہیں۔''

''بسنت پنچمی: ہندوؤں کے تہوار کا نام،بسنتی پوش: زرد پوش بسنتی،زر، پیلا، بسنت کے میلے میں جانے والے وغیرہ وغیرہ۔''

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تہوار کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بسنت خالصتاً ایک ہندوانہ تہوار ہے۔زرد رنگ ہندوؤں کا خاص شعار ہے اور ان کے یہاں بسنت کے موقع پر خاص رنگ کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔معروف سیاح ابوریحان البیرونی اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں:''اس مہینے میں استواء ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے۔ہندو لوگ حساب سے اس وقت کا پتا لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور نیا غلہ تبرکاً پانی میں ڈالتے ہیں۔''(کتاب الہند)

تاریخ لاہور(ازعبداللطیف ص260)میں درج ہے:

''مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے بسنت میلہ منعقد کیا جاتا تھا۔اس دن اتنا جشن منایا جاتا کہ مہاراجہ سمیت سردار اور عام فوجی بھی زرد پوشاک میں ملبوس ہوتا تھا۔''

بے ضمیر لوگوں کا مشغلہ:

قیامِ پاکستان سے قبل ہندوانہ ماحول کے زیرِ اثر اور بعد میں ہندوستان کی مادر پدر آزاد فلمی ثقافت کی یلغار نے کچھ بے ضمیر مردہ دل مسلمانوں کو بسنت کے خبط میں مبتلا کر دیا ہے، وہ بلا سوچے سمجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے ہندو کی یاد میں رائج ہونے والے تہوار کو مناتے ہیں۔ڈھولک کی تھاپ،موسیقی کی بے ہنگم مکروہ آواز،فحش گانوں کے

کیسٹوں کے دوران شرم وحیا سے عاری اور ہندو کلچر کے دل دادہ مرد وخواتین مل کر بسنت کا دن گزارتے ہیں۔ اس موقع پر پاکستانی و بھارتی اداکاراؤں کو بطور خاص بلایا جاتا ہے۔ ''بوکاٹا'' کے نعرے لگتے ہیں، بے تحاشا فائرنگ ہوتی ہے، شراب خانہ خراب کے دور چلتے ہیں، امراء کی خاص محفلوں میں وہ قبیح افعال انجام دیے جاتے ہیں کہ شیطان بھی شرما جائے، جانور بھی ان گندے اعمال سے پناہ مانگتے ہوں گے۔ ڈور کاٹنے اور پتنگ لوٹنے کے لیے اب تک بے شمار نوجوان موت کی وادیوں میں کھو چکے ہیں۔ بہت سے اپنی ٹانگیں تڑوا کر ہمیشہ کے لیے اپاہج ہو چکے ہیں۔ دھات کی تار استعمال کرنے سے بار بار بجلی منقطع ہوتی ہے۔ جس شہر میں بسنت میلہ منایا جارہا ہو، وہاں مریضوں کو سکون نصیب ہوتا ہے نہ عبادت گزار بندے توجہ سے عبادت الٰہی میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ بعض منچلے سارا دن اور ساری رات فل آواز میں ڈیک لگا کر اڑوس پڑوس میں رہنے والوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں، تب یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی اسلامی ملک کے شہری نہیں بلکہ ہندوستانی راجواڑوں کی پیداوار ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پتنگ بازی کے لیے ڈور کے دھاگے کے ٹریڈ مارک بھگوان مارکہ، پانچ پانڈو، دوریچھ، پانچ ریچھ اور مور مارکہ سب ہندوستان سے خریدے جاتے ہیں۔ بسنت سے اس قدر جنونی تعلق ہو چکا ہے کہ بسنت کا عفریت لاہور سے نکل کر پنجاب کے دوسرے شہروں گوجرانوالہ، سیالکوٹ، فیصل آباد اور دیگر چھوٹے بڑے شہروں میں پھیل چکا ہے۔ اسے ایک ہی دن میں نہیں منایا جاتا بلکہ ہر بڑے شہر میں مختلف دن مقرر ہیں تا کہ ایک دوسرے کے ہاں جا کر اس شیطانی کھیل میں حصہ لیا جا سکے۔

پتنگ بازی کے نقصانات:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں پتنگ بازی کی جو خرابیاں درج کی ہیں وہ مختصراً یہ ہیں۔

''اب کنکوے (پتنگ بازی) کی نسبت بھی سن لیجیے جس قدر خرابیاں کبوتر بازی میں ہیں قریب قریب اس میں بھی موجود ہیں۔

☆ کنکوے (پتنگ) کے پیچھے دوڑنا جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتر کے پیچھے

دوڑنے والے کو شیطان فرمایا۔

☆ دوسرے کے کنکوے (پتنگ) کو لوٹ لینا جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں لوٹتا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں اور پھر بھی وہ مؤمن رہے (بخاری و مسلم) یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے تاویلی معنی خواہ کچھ بھی ہوں لیکن ظاہراً تو اس شخص کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خارج از ایمان قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کو لوٹنے میں تو مالک کی اجازت ہوتی ہے اس لیے اس کو لوٹنا جائز ہے تو یہ بالکل غلط ہے مالک کی اجازت ہرگز نہیں ہوتی چونکہ عام رواج بن گیا ہے اس لیے مالک خاموش رہتا ہے، حالانکہ وہ اس سے خوش نہیں ہوتا، اگر اس کا بس چلے تو خود دوڑے اور کسی کو بھی پتنگ نہ لینے دے۔

☆ ڈور کو لوٹ لینا، اس میں بھی ایک اعتبار سے پتنگ لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے کیونکہ پتنگ تو ایک ہی ہاتھ میں لگتی ہے اور وہی گناہ گار ہوتا ہے جبکہ ڈور تو بیسیوں آدمیوں کے ہاتھ میں آتی ہے اور سب کے سب گناہ گار ہوتے ہیں اور اس کا سبب وہی پتنگ باز ہے۔

☆ ہر شخص کی نیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کی پتنگ کو کاٹوں اور اس کا نقصان کروں تو مسلمان کو نقصان پہنچانا حرام کام ہے۔

☆ نماز سے غافل ہو جانا جس کو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوے کے حرام ہونے کی علّت بتلایا ہے۔

☆ اکثر کوٹھیوں کی چھتوں پر کنکوے اُڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

☆ بعض اوقات کنکوا (پتنگ) چڑھاتے ہوئے پیچھے کو ہٹتے جاتے ہیں اور کوٹھے سے نیچے گر پڑتے ہیں۔

☆ ایک خاص خرابی یہ ہے کہ اس میں آلۂ علم کی توہین ہوتی ہے کیونکہ کاغذ سے گڈی بنتی ہے یہ آلۂ علم ہے۔

☆ ان سب کھیلوں میں مال مفت کا ضائع ہوتا ہے اور فضول خرچی کا حرام ہونا قرآن سے

ثابت ہوتا ہے۔''

گستاخِ رسول کی یاد میں بسنت میلہ؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ! عشق رسول میں جان کی بازی لگا دینے کا دعویٰ کرنے والو!

پورا ملک مطالبہ کرر ہا ہے کہ گستاخ رسول کی سزا موت مقرر کی جائے۔ ہر منبر و محراب سے یہی آواز سنائی دے رہی ہے۔ ہر درد مند مسلمان کی یہی صدا ہے۔ بسنت کے غلط اور حرام ہونے کے لیے یہ کیا کم تھا کہ یہ تہوار ایک گستاخِ رسول ہندو کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ چہ جائے کہ اس کے دیگر نقصانات اس قدر ہیں۔

ذرا سوچیے! ہم مسلمان ہیں، ہمارے آباء واجداد نے بے پناہ قربانیاں دے کر ہندوؤں سے علیحدہ وطن حاصل کیا۔ کیا ہم بسنت منا کر تحریک آزادی کے شہداء سے غداری نہیں کرر ہے؟ کشمیر کی آزادی کے لیے لڑنے والے مجاہدین اور شہید ہونے والی ماؤں، بہنوں کے خون سے بے اعتنائی نہیں برت رہے؟

ہر سال کروڑوں روپے اس شیطانی کھیل پر صرف کیے جاتے ہیں، اس قیمتی سرمائے کا محض کچھ حصہ ہی امت کے غرباء، یتامیٰ، مساکین پر خرچ کیا جاتا تو کیا ایک خوشگوار تبدیلی نہ آتی؟ ہزاروں ٹھنڈے چولہے گرم نہ ہو جاتے؟ بہت سی غریب بچیاں غربت کی وجہ سے شادیوں کے لیے منتظر بیٹھی ہیں ان کے نادار والدین اپنے ارمان پورے نہیں کر لیتے؟ سیکڑوں ہزاروں مجاہدین ہندوؤں سے بر سر پیکار کشمیر میں جانیں دے رہے ہیں، یہ سرمایہ اگر ان خدا مست مجاہدین پر صرف کیا جاتا تو کیا یہ اللہ کے مقرب بندے اسلحہ و بارود خرید کر ہندو کو کشمیر سے نکل بھاگنے پر مجبور نہ کر دیتے؟

5 فروری کو ''کشمیر ڈے'' منانے والو! اتنی جلدی کیوں بھول گئے کہ جو تہوار ہم منا رہے ہیں وہ ہندوؤں کا تہوار ہے؟

اے اللہ کے بندو!

بسنت ایک فضول تہوار ہے۔ جن کا ہے انہی کو منانا چاہیے۔ غیروں کی رسموں کو اپنا کر نہ ہم

اپنے خالق و مالک کی نظر میں سرخرو ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ملک وقوم کا اس میں بھلا ہے۔ بہار کا موسم تو ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ اللہ کی قدرت کا اقرار کیا جائے، اس کے سامنے جبینِ نیاز جھک جائے اور دل معبود حقیقی کی طرف مائل ہو جائے نہ کہ ہندوؤں کی شیطانی خرافات میں خود کو کھو دیا جائے۔

اس اجتماعی حرام فعل پر حکومت کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ پابندی لگائے اور والدین پر بھی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو روکیں۔ وگرنہ جس پیمانے پر یہاں تیاریاں کر کے بسنت منائی جاتی ہے کل کلاں اس بات کی تمیز بھی اٹھ جائے گی کہ یہ ایک ہندوانہ تہوار ہے۔ پھر انجانے میں مسلمان بھائی، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جہنمی گستاخ کی یاد زور وشور سے مناتے رہیں گے۔

عقل وخرد کی چتا

سعید حسن

انسان کا پیٹ جب بھر جاتا ہے تو اس کو مختلف خرمستیاں سوجھنے لگتی ہیں۔ دل میں انوکھے ولولے اور من میں رنگ برنگ چونچلے جنم لینے لگتے ہیں۔ یہ صرف انسان ہی نہیں ہر حیوان کی یہ حالت ہے۔ خصوصاً کائنات کا احمق ترین جانور جس کو عرفِ عام میں گدھا کہا جاتا ہے جب وہ بھوکا ہو یا کام میں جتا رہے تو دولتیاں جھاڑنے اور شوخ قلابازیاں لگانے کو بھول جاتا ہے لیکن جب اس کا پیٹ بھر جائے اور ذرا فارغ بھی ہو تو اس کو سوائے اُلٹی سیدھی حرکتوں اور اچھل کود کے اور کوئی کام نہیں سوجھتا۔ ادھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر بھاگتا دوڑتا ہے، لاتیں مارتا ہے اور واقعی ''من چلا'' بن جاتا ہے کیونکہ احساس، شعور، سنجیدگی جیسے اوصاف جو خرمستیوں سے روکتے ہیں ان اوصاف سے ایک حیوان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ حرکتیں اور بدمستیاں حیوانیت کے تقاضوں میں سے ہیں۔

احساس وشعور کا یہی قحط اگر حضرت انسان کی طرف متوجہ ہو جائے تو اس کی حالت بھی حیوان موصوف سے مختلف نہیں ہوتی، وہی حرکتیں، وہی خرمستیاں اور بے ہودہ اُچھل کود اس سے بھی سرزد ہونے لگتی ہے تب انسان میں اور اس حیوان میں فقط قالب کا فرق رہ جاتا ہے۔ جب انسان کی عقل حیوانی خواہش کے سامنے مغلوب ہو جائے، دماغ کی بجائے پیٹ کی علمداری ہو، معقولیت کی جگہ پرخوراکی سے پیدا ہونے والی ریح لے لے تو اس وقت اخلاقی اقدار، انسانیت کے تقاضے اور عقل وشرع کے پیمانے بے کار ہو جاتے ہیں۔ ملکِ عزیز کے شہر لاہور کے باشندگان خصوصاً اور آس پاس کے دیگر شہروں کے باسی عموماً عقل وخرد کی چتا بڑی دھوم سے جلاتے ہیں۔ اس سال بسنت نامی خونخوار ہلڑبازی، بے ہودہ اُچھل کود اور لغویات پر مشتمل ہندوانہ میلے کے شکار ''من چلوں'' اور دیگر بے گناہ افراد کی تعداد بیس کے قریب بتائی گئی ہے اور زخمیوں کی تعداد 600 سے زائد ہے۔ یہ افراد شدید ہوائی فائرنگ، کرنٹ لگنے، پتنگیں لوٹنے کے دوران

گاڑیوں کے نیچے آنے، چھتوں سے گرنے اور ڈور سے کٹنے کی وجہ سے ہلاک وزخمی ہوئے۔ درجنوں افراد کی ٹانگیں اور بازوٹوٹ گئے۔ بسنت پر 13 ارب سے زائد اخراجات آئے۔ ضلعی انتظامیہ کی نمائشی اور مریل ''وارننگ'' کی پروا کیے بغیر دھاتی تاروں کا بے تحاشا استعمال کیا گیا جس کی وجہ سے ایک ہی رات میں 3 ہزار مرتبہ پاور ٹرپنگ ہوئی۔ 52 فیڈرز کو دھاتی تاروں نے نقصان پہنچایا، واپڈا کو 15 کروڑ کا نقصان ہوا۔ بسنت کے عنوان سے بدمعاشی کے اس کھیل میں شراب اس قدر پی گئی کہ پرمٹ ہولڈروں کا شراب کا ایک ماہ کا کوٹہ دو دن میں ختم ہو گیا یہاں تک کہ شراب کی ایک بوتل 500 سے 1000 روپے تک پہنچ گئی۔

نقصانات، ہلاکتوں اور فضول مصارف کی یہ داستان صرف اس سال کی ہے۔ ہلاکتوں، بربادیوں اور بے ہودہ فضول خرچی کا یہ نامعقول اور بے رحم مظاہرہ ہر سال ہوتا ہے اور بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے اور اہلِ اقتدار کی سرپرستی میں ہوتا ہے اور انسانوں کا بہنے والا خون، کچلتے جسموں، ٹوٹتے اور معذور ہوتے انسانی اعضا کا باعث بننے والا یہ شیطانی چکر باعث شرم نہیں بلکہ باعث فخر سمجھا جاتا ہے۔ قومی رہنما داد دیتے نہیں تھکتے، ذرائع ابلاغ تحسین آمیز تشہیر کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اس موقع پر عقل وخرد کو نیلام کر کے ناچنے، تھرکنے اور آپے سے باہر ہونے والوں کو بے وقوف کی بجائے ''زندہ دل'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

بے ہودگی کا یہ طوفان صرف مالی اور جانی نقصانات کا ہی باعث نہیں بنتا بلکہ اس دن مسلمان کہلانے والی قوم شرم وحیا، عزت وعفت اور اخلاقی اقدار کی چتا بھی سرعام جلا دیتی ہے۔ نوجوان نسل کے بے ہودہ حرکات اس دن ہر اخلاقی حد کو پار کرتی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ایک اسلامی ملک کا حصہ نہیں بلکہ حیاباختہ مغربی اقوام کا ایک نائٹ کلب ہے۔ شراب وشباب اور رقص وسرود کی ان محفلوں میں مخلوط ڈانس اور لڑکے لڑکیوں کا ہلہ گلہ ہی بسنت کا اصل مقصد ہے پتنگ اُڑانا اور جشن بہار کا نام ایک بہانہ ہے۔ لوگوں کی اکثریت ڈانس پارٹیوں اور شراب وشباب کی محفلوں کو پتنگ بازی پر ترجیح دیتی رہی ہے۔ پتنگ بازی میں بھی چھتوں پر حیاوحجاب کے چھیتڑے سرعام اُڑائے جاتے ہیں۔ خواہشات کا سب سے پہلا حملہ عقل پر ہوتا ہے اسی وجہ سے

باشندگان لاہور اس ہلہ گلہ میں اپنے ازلی دشمن بھارت اور خطرناک ترین عداوت رکھنے والی ہندو قوم کی نقالی میں پھدک پھدک کر بے حال ہو جاتے ہیں اور انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ بھارت نے شہر لاہور کو جلا کر راکھ بنانے کے لیے کتنے میزائل نصب کیے ہیں؟ بھارت کو اگر موقع ملے تو لاہور کو ایک ہی دن میں روند ڈالے۔ دشمن یہ فرق نہیں کرے گا کہ یہ ''زندہ دل'' ہے یا کوئی اور، بسنت مناتا ہے یا نہیں؟ پھر اس دشمن ملک وقوم کے لوگوں کو فخریہ طور پر دعوت دے کر بلایا جاتا ان کے سنجیدہ لوگوں کو مہمان بنایا جاتا تو بھی ایک بات تھی لیکن اس موقع پر بھانڈوں، فنکاروں اور نیچ پیشے سے وابستہ طبقہ کے افراد کو بلا کر ان کے ساتھ مل کر شرم وحیا اور عقل وخرد کی چتا انہی کی آگ میں جلاتے ہیں۔ ایسی قوم کے انجام کے لیے دُعا ہی کی جا سکتی ہے۔ کاش! ہم اور نہیں تو حالیہ سونامی طوفان کی تباہ کاریوں سے ہی اندازہ کر لیتے کہ قدرت کی پکڑ کتنی شدید ہوتی ہے کتنی اچانک اور بے مہلت ہوتی ہے؟

بسنت: گستاخِ رسول ﷺ ہندو کی یادگار

مولانا عبدالغفور طاہر

لاہور سے ایک گستاخ رسولؐ ہندو کی یاد میں بسنت مناتے ہیں۔ جس کی یاد میں ایک ہندو رئیس نے لاہور میں پنجاب کے ''بسنت میلے'' کا آغاز کیا تھا۔ 1707ء تا 1759ء کے دوران پنجاب کے ''بسنت میلے'' کا آغاز کیا گیا تھا۔ تفصیلات کے مطابق 1707ء تا 1759ء کے دوران پنجاب کے گورنر ذکریا خاں کے دور گورنری میں سیالکوٹ کے ایک ہندو کھتری ''مل ری'' کے بیٹے ''حقیقت رائے'' نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اس جرم میں حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لیے لاہور لایا گیا۔ یہاں حقیقت رائے کو سزائے موت ہوئی۔ جس پر ہندو افسران پنجاب نے گورنر ذکریا خان سے حقیقت رائے کو معاف کرنے کی سفارش کی لیکن وہ نہ مانے سزائے موت پر عمل درآمد کرتے ہوئے حقیقت رائے کو پہلے ایک ستون سے باندھ کر کوڑے مارے گئے بعدازاں اس کی گردن اڑا دی گئی جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کناں رہی۔ ہندوؤں نے اس کی یاد میں شمالی لاہور کے ایک علاقہ کوٹ خواجہ سعید (المعرف کھوجے شاہی) میں ''مڑہی'' تعمیر کی جہاں گائے کی مورتی بھی رکھی گئی بعدازاں یہ جگہ ''باوے دی مڑہی'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ مؤرخین کے مطابق ایک ہندو رئیس کالورام نے کوٹ خواجہ سعید میں ایک مندر تعمیر کرایا جو مندر کالورام کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مندر کے اردگرد وسیع و عریض چار دیواری میں بارہ دری باغیچہ اور گراؤنڈ بھی تھی جہاں ہندو رئیس کالورام نے حقیقت رائے کی یاد میں پنجاب کے بسنت میلے کا آغاز کیا تھا۔ ایک سروے کے مطابق شمالی لاہور کے تاریخی علاقہ کوٹ خواجہ سعید میں اب حقیقت رائے کی یادگار ''مڑہی'' کا نام و نشان تک نہیں رہا تاہم یہ جگہ اب بھی محلہ باوے دی مڑہی کے نام سے مشہور ہے۔ حقیقت رائے کی یادگار مڑہی کی جگہ اب مکان نمبر 369 واقع گلی نمبر 25 محلہ شاہ نور پارک

ہے۔ یہ مکان 6 مرلے 50 فٹ پر محیط ہے۔ اس میں 45 سالہ عبدالحمید اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ رہائش پذیر ہیں جو پینٹ کا کام کرتے ہیں۔ ''محلّہ باوے دی مڑہی'' کے ایک پرانے رہائشی باریش بزرگ محمد رفیع نے بتایا کہ یہ جگہ ایک سکھ گورمت سنگھ کی اراضی تھی جس پر اس نے حقیقت رائے کا مندر بنایا تھا جس میں گائے کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ قیام پاکستان سے قبل محلّہ باوے دی مڑہی کی مین سڑک بھی حقیقت رائے کے نام سے منسوب تھی۔ سروے کے مطابق حقیقت رائے کی یاد میں لاہور میں پنجاب کے بسنت میلے کا آغاز کرنے والے ہندو رئیس کالورام کا مندر کوٹ خواجہ سعید کے قبرستان کے قریب ایک محلے میں واقع ہے جس کا قیام پاکستان کے بعد اب بھی محلّہ مندر کالورام ہے اور یہ محلّہ ابھی بھی اس نام سے پکارا اور لکھا جاتا ہے۔ ہندو رئیس کالورام کے بارے میں محلے کے ایک بہت پرانے باسی پنجاب پبلک سروس کمیشن کے ریٹائرڈ سپیچ رائڈ ملازم عبدالعزیز نے بتایا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ ہندو کالورام اندرون شہر لاہور سے بگھی پر بیٹھ کر یہاں آتا تھا۔ بگھی میں بیٹھے ہندو رئیس کالورام تمام راستے میں مسلمانوں پر اپنا رعب جمانے کے لیے بگھی سے پیسہ پھینکتا تھا۔ عبدالعزیز کے مطابق کالورام نے یہاں ایک وسیع و عریض رقبہ کے اردگرد چار دیواری تعمیر کی تھی جس میں ایک مندر تھا اس کے ساتھ بارہ دری، باغیچہ گراؤنڈ اور سبز و شاداب درخت تھے۔ رئیس کالورام نے ریلوے کے انگریز افسروں سے لوہے کے دروازے، کھڑکیاں اور دیگر سامان لے کر اس جگہ پر لگایا تھا۔ یہاں رئیس کالورام بسنت سیلہ لگایا کرتا تھا۔ پتنگ بازی کرتا تھا۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی رئیس کالورام اپنے خاندان کے ہمراہ ہندوستان بھاگ گیا تھا۔ عبدالعزیز اور محلے کے دیگر پرانے بزرگوں کے مطابق قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد کالورام ایک مرتبہ یہاں آیا تھا اس جگہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد محلّہ مندر کالورام کے بڑے مندر اور دیگر مندروں میں پڑے ہوئے بتوں کو توڑ دیا گیا تھا۔ جبکہ یہاں مسلمان مکینوں نے مندر کالورام کا گنبد اس وقت گرایا تھا جب بھارتی ہندوؤں نے بابری مسجد کو شہید کیا تھا۔ روزنامہ ''یلغار'' کے سروے کے مطابق مندر کالورام کے اندر اب ایک شخص نور محمد رہائش پذیر ہے جو کہ لنڈا بازار کے کپڑے فروخت کرنے کا کام کرتا ہے، جبکہ اس

مندر کے اندر اب محمد شفیق نامی ایک شخص محلے کے بچوں کو قرآن پاک پڑھاتے ہیں۔ یہاں درس بھی ہوتا ہے، علاوہ ازیں محلّہ مندر کالو رام کی گلی میں ایک اور خالی مندر کی جگہ میں مستری محمد علی رہائش پذیر ہے۔ سروے کے مطابق اب مندر کے اردگرد مکانات ہیں۔ اب نہ بارہ دری ہے، نہ باغیچہ اور نہ ہی گراؤنڈ ہے۔ اب سوائے مندر کے کسی بھی چیز کا نام ونشان نہیں رہا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک سکھ دانشور مورخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب (Punjab Under the Later Mughals) کے صفحہ 279 پر اس بات کی تصدیق کی ہے گستاخ رسولؐ حقیقت رائے کی یاد میں ہندو رئیس کالو رام نے یہاں لاہور میں پنجاب کے بسنت میلے کا آغاز کیا تھا۔ تاہم زندہ دلانِ لاہور نے ہندو رئیس کالو رام کی طرف سے گستاخِ رسولؐ حقیقت رائے کی یاد میں پنجاب کے بسنت کی روایت کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

یہ حوالہ تاریخ لاہور میں بھی مل سکتا ہے اور جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب کی زیرادارت شائع ہونے والے قومی اخبار ''روز نامہ پاکستان لاہور'' کی 5 فروری کی اشاعت اور روز نامہ ''یلغار'' کی 4 فروری کی اشاعت میں دیکھا جا سکتا ہے۔

بسنت اور پاکستانی قوم:

باہر شب دیجور کی گھٹائیں چھائی ہیں۔ سناٹے کا عالم ہے۔ کہیں کہیں گاڑیوں کے چلنے کی معمولی آواز کانوں کی دہلیز سے ٹکرا رہی ہے۔ مرد وزن محوخواب ہیں۔ عباد وزہاد آہ سحرگاہی میں مصروف الحاح وفغاں ہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے امت مرحومہ کے فرزندوں، جوانوں اور بچوں کی وہ تصاویر رکھی ہیں جو عبرت کا نشان بنی ہوئی ہیں۔ ایک آٹھ سالہ بچہ جس نے شرٹ اور پینٹ زیب تن کر رکھی ہے۔ اس کے سر پر ٹوپی ہے۔ بجلی کے کھمبوں کے پاس ایک عمارت کے باہر کھڑا ہے۔ جو پتنگ کی ڈور لپیٹنے اور کھینچنے میں مصروف ہے، اس کے ساتھ نیچے کی تصویر تین نوجوان لڑکیوں کی ہے جن کے سر ننگے ہیں۔ ایک کے گلے میں سرخ رنگ کا دوپٹہ لٹک رہا ہے۔ دوپٹے والی نے ایک بچہ بھی اٹھایا ہوا ہے۔ دوسری دونوں کے پاس دوپٹہ نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ان کے متصل ہی دو مرد کھڑے ہیں، جو باچھیں پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے ہیں اور ایک انگلی کے ساتھ شریرانہ اشارہ کر رہا

ہے۔تصویر کے کیپشن میں بتایا گیا ہے:''خواتین پتنگ بازی سے لطف اندوز ہو رہی ہیں۔''

''ابھی ابتدائے عشق ہے۔روتا ہے کیا،آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا؟''والا منظر ہے۔اس کے ساتھ ہی پانچ نوجوان لڑکیوں کی تصویر شرم کا منہ چڑا رہی ہے۔ان میں سے ایک کا منہ بند ہے اور باقی چار کھلکھلا کر شیطان کو خوش کر رہی ہیں۔ایک کے ہاتھ میں رنگ برنگ پتنگ ہے۔پانچوں برہنہ سر ہیں۔دو کے شانوں پر دوپٹے برائے نام ہیں۔ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پتنگ بازی میں شریک ہیں۔آگے چلیے!کسی گھر کا صحن ہے یا تفریحی پارک،دو مرد ہیں،جن میں سے ایک نے قومی سفید لباس اور دوسرے نے ترکی لباس پہن رکھا ہے ان دونوں کے درمیان دو لڑکیاں کھڑی ہیں اور ایک نے سبز رنگ کا پتنگ تھام رکھا ہے۔آنکھوں کے سامنے دور دور تک پھیلے ہوئے مکانات کی تصویر رکھی ہے جس کی بنیادوں سے لے کر چھتوں تک نوجوان لڑکے کھڑے اور بیٹھے ہیں،بعض پتنگیں اڑا رہے ہیں اور بعض دوسروں کی پتنگیں کاٹ رہے ہیں۔بعض تماش بین ہیں اور بعض ڈوری سمیٹ رہے ہیں۔فضا میں رنگ برنگی پتنگوں کا ایک عجیب نظارہ دکھائی دے رہا ہے۔

مکانوں کی چھتوں سے ہو کر ہمیں کسی تفریحی مقام کا بہت بڑا میدان دکھائی دیا،جہاں مردوں،عورتوں اور بچوں کا ہجوم ہے۔عورتیں اور بچے کرسیوں پر بیٹھ کر نظارہ کر رہے ہیں۔جبکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں پتنگ بازی کے مقابلے میں مصروف ہیں،پردہ اور حیا نام کی چیز دور دور دکھائی نہیں دے رہی۔ایک نوجوان لڑکی نے پانچ کلو کی ڈور اٹھا رکھی ہے۔اور پتنگ اڑانے میں مصروف ہے۔تماش بین بوکاٹا بوکاٹا کے نعروں اور تالیوں کی گونج میں پتنگ بازوں کو داد دے رہیں۔ڈھول کی تھاپ پر ایک طرب ناک صورت پیدا کی گئی ہے۔

آٹھ سالہ بچے سے لے کر پچیس سال کے جوانوں تک،دکان کی چھت سے مکان کی چھت تک،گھر کے صحن سے تفریح گاہ تک ہر مقام پر شیطان مرد و زن کے روپ میں رقصاں ہے۔طبلے اور گانے کے سُر پہ نوجوان نسل تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ رہی ہے۔شیطانی نیٹ میں انسانیت گرفتار ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔جسمانی نمائش،لباس کی نمائش،اختلاط،بے پردگی اور بے حجابی کے مناظر دیکھ کر انسانیت شرم سے سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔موسم بہار کی آمد آمد ہے۔شیطان اپنی آل

اولاد سمیت شاہی مسجد کے پڑوس میں اتر آتا ہے، مینار پاکستان کے اردگرد ڈیرے لگالیتا ہے۔ شالیمار گارڈن اور گلشن اقبال ٹاؤن میں اس کے آلہ کار انسانیت کو مس گائیڈ کرتے ہوئے ابلیسی کام سرانجام دینے پر آمادہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ملا کی اذان، خطیب کی خطابت، ارباب صحافت کے قلم، واعظ کا خطبہ، ناصح کی نصیحت، رہنما کی رہنمائی، اہل درد کا سوز جگر، اہل مسند کی روحانیت کے سامنے سدِ سکندری بنانے کے پلان کی سرتوڑ کوشش کے بعد عملی جامہ پہنانے کی محنت شروع ہوجاتی ہے۔

علماء کرام بسنت کو رسم اور ہندووانہ تہوار کہتے ہیں۔ ہر سال علماء کی طرف سے حکمرانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ بسنت پر پابندی لگائیں لیکن ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بجلی کا محکمہ ہر سال لاکھوں روپے کے اشتہارات دے کر اخبارات میں ہدایات جاری کرتا ہے کہ پتنگ بازی کے لیے کون سی ڈور استعمال کی جائے اور کس ڈور سے بچا جائے؟ مہلک اور دھاتی تاروں سے بچنے کے لیے واپڈا ہر سال لوگوں سے اپیلیں کرتا ہے۔ محکمہ پولیس ہر سال لوگوں کو منع کرتا ہے کہ وہ پتنگ بازی کے دوران ہوائی فائرنگ سے گریز کریں۔ محکمہ شاہراہ والے اپیل کرتے ہیں کہ سڑکوں پر اور سڑکوں کے کناروں پر پتنگ پکڑنے کی کوشش میں حادثہ پیش آسکتا ہے۔ بعض لوگ چھتوں پر پتنگ اڑانے سے روکتے دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ واپڈا والے، حکومت والے، پولیس والے اور محکمہ شاہراہ والے لوگوں کو مختلف خطرات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی پتنگ بازی اور بسنت کا تہوار منانے کا مخالف نہیں ہے۔ مخالفت تو کیا وقت آنے پر مقررہ تاریخوں میں یہ لوگ اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے خوب زور وشور سے بوکاٹا بوکاٹا کے دل سوز نعرے لگا رہے ہوتے ہیں۔ کٹے ہوئے پتنگ کی تلاش میں دیوانوں کا ایک گروہ جھاڑی دار ٹہنی لے کر سرپٹ بھاگتا دکھائی دیتا ہے۔ کئی مقامات پر مختلف لوگ ایک ہی پتنگ پر ملکیت کا دعویٰ کردیتے ہیں جس سے بات تو تو، میں میں سے آگے نکل کر لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتی ہے۔

نجانے ہمارے اربابِ اقتدار کب ہوش کے ناخن لیں گے؟ اور ہماری عوام کب مہذب قوم ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے مستقبل کی فکر کریں گے؟

نعشوں کے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا

جاوید چوہدری

محمد فاروق کا تعلق ایبٹ آباد سے تھا۔ وہ روزی روٹی کی تلاش میں لاہور چلا گیا اور گلشن راوی کے ایک پیٹرول پمپ پر کام کرنے لگا۔ اس نے اپنے خاندان کو بھی لاہور بلوالیا۔ عمر فاروق اس کا بیٹا تھا۔ اس بچے کی عمر آٹھ برس تھی اور یہ تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ 25 فروری 2007ء کو بسنت تھی۔ عمر فاروق اپنی سائیکل پر گھر سے نکلا۔ ندیم پارک کے قریب آسمان سے ایک دھاگہ اترا۔ یہ دھاگہ عمر فاروق کی گردن سے لپٹا۔ کسی خفیہ ہاتھ نے جھٹکا لگایا۔ عمر کی شہ رگ کٹ گئی۔ وہ سڑک پر گرا اور اپنے ہی خون میں لت پت ہو گیا۔ راہگیروں نے بچے کو اٹھایا اور اسپتال کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ بچہ اسپتال پہنچ گیا لیکن یہ گردن کیمیکل ڈور نے کاٹی تھی چنانچہ عمر فاروق نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔۔ عمر فاروق کی نعش گھر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ لواحقین نے نعش اٹھا کر تھانے کے سامنے رکھی اور سینہ کوبی شروع کر دی۔ پولیس نے فوراً نامعلوم ملزمان خلاف مقدمہ درج کر دیا۔ پولیس کی منت سماجت اور مقامی سیاستدانوں کی کوشش سے شام کو مسئلہ حل ہو گیا۔ عمر فاروق کے لواحقین نعش گھر لے گئے۔ نعش کے اٹھتے ہی پولیس نے وائپر سے تھانے کی دہلیز صاف کر دی۔ عمر فاروق کے خون کے دھبے صاف ہو گئے۔

دنیا نے 26 فروری کے اخبارات میں عمر فاروق کے والد اور گلشن راوی کے لوگوں کی تصویریں دیکھیں۔ یہ لوگ تھانے کے سامنے نامعلوم ملزمان کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ محمد فاروق کے ہاتھ آسمان کے طرف اٹھے تھے۔ اس کے ہونٹ کھلے تھے اور اس کے چہرے پر بددعائیں تحریر تھیں۔ ان اخبارات میں ننھے مقتول عمر فاروق کی نعش کی تصویر بھی تھی۔ یہ نعش پاکستان کے عوام سے اپنا جرم پوچھ رہی تھی۔ نعش کا سوال تھا۔ پولیس نے اس کے قتل کے خانے میں نامعلوم ملزمان کیوں لکھا؟ کیا پولیس، کیا گلشن راوی کے لوگ اور کیا پورا ملک اس کے قاتلوں کا

نام نہیں جانتا؟ کیا اس ملک کے سارے صحافی ملزم کی شکل اور نام نہیں پہچانتے؟ نعش پوچھ رہی تھی اس کا جرم کیا تھا اور کیا تفریح کے نام پر 16 بے گناہ لوگوں کا قتل جائز ہے؟ عمر فاروق پوچھ رہا تھا۔ اس دن 25 سال کا حیدر علی نامعلوم گولی کا نشانہ بن گیا۔ وہ پانچ بہنوں۔ دو بھائیوں اور دو ماں باپ کا واحد خود کفیل تھا۔ حیدر علی کے اس بسنتی قتل کے بعد اس خاندان کی کفالت کون کرے گا؟ عمر فاروق نے سوال کیا اتوار کے دن 8 سال کی بچی مریم سر میں گولی لگنے سے شہید ہوگئی۔ 8 سال کا حسن ندیم۔ چار سال کا عبدالرحمان اور 13 سال کا دانش بھی بسنت کے ہاتھوں شہید ہوگیا۔ اس دن پورے شہر میں تفریح کے نام پر گولیاں چلیں۔ لاہور کے شہریوں نے ایک رات میں پچاس کروڑ روپے ہوا میں اڑا دیے۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں۔ فارم ہاؤسز اور بڑے گھرانوں کے لانوں میں مجرے ہوئے اور ان مجروں میں کروڑوں روپے کی ویلیں دی گئیں۔ لاہور شہر میں کروڑوں روپے کی شراب آئی اور لوگ دو دن شراب سے منہ دھوتے رہے۔ شہر میں کیمیکل اور دھاتی ڈور کا استعمال ہوا اور سیکڑوں لوگ بازوؤں۔ انگلیوں۔ گردنوں اور چہروں سے محروم ہوگئے۔ شہر میں اخلاقیات دم توڑ گئیں اور لوگ قانون و قاعدے سے بے گانہ ہوگئے۔ نعش نے پوچھا دنیا کی کون سی تہذیب۔ کون سا قانون اور کون سی اخلاقیات اس ہلڑ بازی۔ اس فحاشی اور اس قتل و غارت گری کو تفریح کہتی ہے؟ نعش کا کہنا تھا وہ کس کا گریبان پکڑے؟ اگر حضرت عمرؓ فرات کے کنارے مرنے والے کتوں کی پیاس کے ذمے دار ہیں تو اس جشن بہاراں میں مرنے والے لوگوں کا خون کس کے ذمے ہے؟ نعش کا کہنا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی کچہری میں اپنے خون کا مقدمہ درج کرا رہی ہے۔ اگر اس کے قتل کا فیصلہ اس مملکت خداداد کے لوگوں نے نہ کیا تو اس کا انتقام قدرت لے گی اور نعش کا آخری سوال تھا کیا اس معاشرے، اس ملک کا کوئی خدا نہیں اور اگر کوئی خدا ہے تو اس ملک کے لوگوں کے دلوں میں اس خدا کا خوف کیوں نہیں؟

میں نے اس نعش کے سارے سوال حکومت کے سامنے رکھ دیے۔ حکومت نے بڑا خوبصورت جواب دیا۔ حکومت کا کہنا تھا: ''تفریح انسان کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمے داری۔ حکومت نے بسنت کی شکل میں اپنی آئینی اور قانونی ذمے داری

نبھائی۔۔ میں نے یہ جواب سن کر قہقہہ لگایا اور حکومت سے عرض کیا: ''جناب عالی! دنیا میں اس سے بھی سنگین اور لرزہ خیز تفریحات موجود ہیں۔مثلاً: ایران کے قدیم بادشاہ زندہ انسانوں کی کھال کھنچواتے تھے۔ وہ تفریح کے لئے کھلا دربار لگاتے تھے۔ قید خانے میں بند کسی ملزم کا تعین کرتے تھے۔ جلاد ملزم کے ٹخنے پر کٹ لگاتا تھا۔ اس کی ذرا سی کھال اٹھائی جاتی تھی اور اس کے بعد جلد کے نیچے انگوٹھا رکھ کر کھال کھینچنے کا عمل شروع ہو جاتا تھا۔ ملزم چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتا تھا۔ اس کی ہر چیخ پر بادشاہ اور اس کے درباری قہقہے لگاتے تھے۔ ہم اس ملک میں تفریح کا یہ سلسلہ کیوں نہیں شروع کر دیتے؟

روم کے بادشاہوں نے کلوزیم بنائے۔ ان کلوزیم میں دس دس لوگوں کو ہتھیار دے کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے قتل ہونا ہوتا تھا یا قتل کرنا ہوتا تھا۔ یہ لوگ ایک دوسرے کی تکہ بوٹی کرتے تھے اور ڈھائی لاکھ لوگ تالیاں بجاتے تھے۔ کلوزیم میں غلاموں پر بھوکے شیر بھی چھوڑے جاتے تھے۔ شیر غلاموں کی ہڈیاں چبا جاتے تھے۔ کلوزیم میں ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز گونجتی تھی تو بادشاہ قہقہے لگاتا تھا۔ ہم ہر سال قذافی اسٹیڈیم میں بھوکے شیر چھوڑ کر جشن بہاراں کیوں نہیں منا لیتے؟

شمالی اتحاد کے لوگ افغانستان میں لوگوں کے سر قلم کرتے تھے۔ ان کی شہ رگ میں پٹرول بھرتے تھے۔ اس پٹرول کو آگ لگاتے تھے۔ نعش زمین پر تڑپتی تھی اور یہ لوگ تالیاں بجاتے تھے یہ لوگ اس تفریح کو ''رقص بسمل'' کہتے تھے یہ رقص ان زندہ لوگوں کو بھی دکھایا جاتا تھا۔ جنہوں نے چند لمحوں بعد اس تفریح کا باعث بننا ہوتا تھا۔ ہم اس ملک میں رقص بسمل شروع کیوں نہیں کرا دیتے؟

تفریح کا ایک سلسلہ چنگیز خان اور ہلاکو خان نے شروع کیا تھا۔ وہ سارے شہر کے لوگ جمع کرتے تھے۔ ان کے سر قلم کرتے تھے۔ نعشیں گھاٹیوں میں پھینک دیتے تھے۔ کھوپڑیاں ایک میدان میں جمع کی جاتی تھیں۔ سارے سپاہی شراب پی کر ان کھوپڑیوں کو ٹھڈے مارتے تھے بعد ازاں کھوپڑیوں کے مینار بنائے جاتے تھے اور میناروں کے انتہائی بلند سروں پر کامیابی اور فتح کی مشعل جلائی جاتی تھی۔ یہ مشعلیں اس وقت تک جلتی رہیں جب تک چنگیز خان اور ہلاکو خان کی یونیفارم قائم رہی۔ ہم اس ملک میں کھوپڑیوں کے مینار بنانے کی اجازت کیوں نہیں دے دیتے؟

ہم شہر کے بچوں کو اسٹیڈیم میں جمع کریں۔ان کے سر قلم کریں۔ان کی کھوپڑیاں اوپر نیچے رکھیں۔ جشن بہاراں کا مینار بنائیں اور مینار کے آخری سرے پر اپنی فتح کی مشعل جلادیں اور جب تک ہمارا اقتدار قائم رہے یہ مشعل جلتی رہے۔

اور تفریح کا ایک طریقہ نیرو نے بھی ایجاد کیا تھا۔اس نے ایک دن روم کے محمد فاروق جیسے تمام غریبوں کو گھروں میں بند کیا۔خود یوسف صلاح الدین کی حویلی کی چھت پر بیٹھ گیا اور شہر میں آگ لگوادی۔لوگ چیخنے لگے لیکن نیرو بانسری کی مدھر دھنوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔روم کے راکھ ہونے تک نیرو کی بانسری بجتی رہی۔یہ بانسری روم کے ڈھائی لاکھ افراد نگل گئی ہم لوگ بھی یوسف صلاح الدین کی حویلی پر کھڑے ہو کر لاہور شہر کو آگ کیوں نہیں لگا دیتے؟

مجھ سے عمر فاروق کی نعش نے ایک اور سوال بھی پوچھا تھا۔آٹھ سال کے اس ننھے شہید نے میری انگلی پکڑ کر پوچھا تھا: ''کیا پاکستان کے حکمران (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے بڑے ہیں؟'' میں نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگایا اور انکار میں سر ہلا دیا۔نعش نے قہقہہ لگایا اور آہستہ سے پوچھا: ''کیا اللہ تعالیٰ انصاف نہیں کرتا؟'' میں نے فوراً ہاں میں سر ہلا دیا۔نعش نے قہقہہ لگایا: ''کیا پھر گردنیں کاٹنے والوں کی گردنیں نہیں کٹیں گی اور کیا پورا شہر اس کا نظارہ نہیں کرے گا''۔ میں خاموش ہو گیا۔کیونکہ:

نعشوں کے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔

آخری فیصلہ

جمال عبداللہ عثمان

پہلا منظر:

اتوار کی رات ہے۔ٹرین دلّی سے روانہ ہوتی ہے۔ٹرین پر کل 757 مسافر سوار ہیں، جن میں سے 553 کا تعلق پاکستان اور اسلام سے ہے۔ٹرین کے مسافروں میں بیشتر اپنے بچھڑے رشتہ داروں سے مل کر واپس اپنے وطن لوٹ رہے ہیں۔ رات کا کٹھن سفر...... ریگستان کا گھپ اندھیرا...... بعض چہروں پر خفیف سی مسکراہٹ جبکہ بعض چہرے پژمردہ...... کوئی اپنے رشتہ داروں سے رخصت ہونے پر دل گرفتہ تو کوئی نئی یادوں اور نئے حالات کے سپنے دیکھ رہا ہے۔ وہ جتنے اپنی منزل کے قریب ہوتے جا رہے ہیں...... اتنی ہی ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی ہیں۔ وہ ''منزلِ مقصود'' پر پہنچنے کے شدت سے منتظر ہیں۔ٹرین پانی پت کے ویران علاقے میں داخل ہو جاتی ہے...... وہ پانی پت جہاں مسلمانوں کے عظیم مجاہد احمد شاہ ابدالی کے گھوڑے کے قدم پڑے تھے...... کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سو رہا ہے اور کوئی سفر جلد کٹنے کی دُعائیں کر رہا ہے۔ٹرین کے بند دروازوں کے پیچھے ہلکے سے ''دھماکوں'' کی آواز آتی ہے اور ساتھ ہی بدبو آنا شروع ہو جاتی ہے۔ کچھ ہی دیر میں ٹرین کی دو بوگیاں دہکتی آگ کی بھٹیاں بن چکی ہوتی ہیں۔ چاروں طرف افراتفری کا عالم ہوتا ہے۔ نیند سے ہڑبڑا کر اُٹھنے والے مسافر کسی خطرے کا اشارہ پا کر دروازوں کی طرف لپکتے ہیں۔ دروازے بند پا کر وہ ٹرین میں اپنے دیگر عزیزوں کے پاس آتے ہیں...... انہیں ساتھ لے کر وہ ایک بار پھر دروازوں کی طرف بڑھ جاتے ہیں لیکن دروازے مقفل ہوتے ہیں۔ ہزار کوششوں کے باوجود دروازے نہیں کھل پاتے تو وہ کھڑکیوں پر زور آزمائی کرتے ہیں لیکن یہاں بھی ناکامی...... آگ قریب آتی جا رہی ہے اور وہ موت کے انتظار میں کھڑے...... آگ کی تپش، دھویں کی کثرت، سانس لینا دشوار، بچوں کی دلدوز چیخیں، بوڑھوں کے کھانسنے کی

آوازیں...... خواتین کی آہ و بکا...... دہکتی بھٹیوں میں موت کو دیکھتی آنکھیں! کیا عجیب، خوفناک اور ہیبت ناک منظر ہوگا؟ اس کے لیے چند لمحے کانوں میں اُنگلیاں دے کر، آنکھیں بند کر کے تصوراتی طور پر پانی پت کے اس میدان میں خود کو کھڑا کریں جہاں یہ قیامتِ صغریٰ بپا تھی......

دوسرا منظر:

تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔ 18 گھروں میں 18 لاشیں پڑی ہیں۔ ہر گھر سے چیخ و پکار کی آوازیں آرہی ہیں۔ لاہور، فیصل آباد، کالا شاہ کاکو...... میں 18 گھروں میں قیامت کا منظر ہے۔ کسی کے معصوم بچے کا گلہ کٹ چکا ہے تو کوئی چھت سے گر کر دنیا سے چلا گیا ہے...... کسی کا اکلوتا بھائی نہیں رہا تو کئی ماؤں کی گودیں اُجڑ گئیں...... کوئی یتیم ہو گیا تو کسی کا سہارا چھن گیا...... کسی گھر سے رونے چیخنے کی آوازیں آرہی ہیں تو کسی گھر سے عرش کو ہلا دینے والی بددُعائیں نکل رہی ہیں۔ میو ہسپتال زخمیوں سے اَٹا پڑا ہے تو جناح ہسپتال میں افراتفری کا عالم ہے اور والدین اپنے جگر گوشوں کی زخمی، لہو بہتی معصوم نعشوں کے سرہانے سسکیاں بھر رہے ہیں۔ مناظر میں یہ منظر بھی بڑا عجیب ہے جب تیسری جماعت کا طالب علم 8 سالہ عمر فاروق گھر سے صحیح سلامت سائیکل لے کر نکلتا ہے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر چلا جا رہا ہے کہ گلشن راوی ندیم پارک کے قریب موت اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی ہے...... زندہ دلانِ لاہور کی کٹی پتنگ کی کیمیکل ڈور عمر فاروق کی ننھی گردن پر پھرتی ہے اور پاکستان کی شہ رگ کی طرح وہ بھی اپنی شہ رگ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دستبردار ہو جاتا ہے۔ وہ خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر جاتا ہے۔ راہگیر اسے اُٹھا کر ہسپتال پہنچاتے ہیں لیکن پہنچنے سے پہلے ہی وہ تڑپ تڑپ کر جان دے چکا ہوتا ہے۔ سائیکل پر چلتے پھرتے عمر فاروق کی لاش جب گھر پہنچتی ہے تو محلے میں بطورِ استقبال ''بو کاٹا'' کے پُر جوش نعرے سنائی دیتے ہیں۔

تیسرا منظر:

ملٹی نیشنل کمپنی کی جانب سے ''تقریبِ سعید'' کا اہتمام ہوا ہے۔ محفل سجی ہے۔ گاؤ تکیے لگے ہیں۔ شہر کے ''معززین'' رونق افروز ہیں۔ وزراء اور حکمران بھی اس موج میلے میں شرکت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ملکی و غیر ملکی اعلیٰ پائے کی رقاصائیں بھی اپنے ''فن'' کا مظاہرہ کر کے

محفل کا رنگ ''دوبالا'' کر رہی ہیں۔ ٹھمکوں اور جھماکوں کا غل غپاڑہ ہے۔ جام سے جام ٹکرائے جا رہے ہیں کہ بقول شیر افگن نیازی ''یہ ہلکا گناہ ہے۔'' ساتھ ہی شہر میں نوجوانوں کی ٹولیاں گشت کر رہی ہیں...... باثروت نوجوان چہروں پر شوخی، دل میں بے حسی، دماغ پر غفلت کی چادر تانے کاروں میں بیٹھ کر کان پھاڑ دینے والی آوازوں میں گانے چلا رہے ہیں۔ چہار سُو خوشی کا عالم ہے۔ لگتا ہے خالقِ کائنات نے موت کو ذبح کر دیا ہے، دھرتی سے غم نامی چیز کا وجود ہی اُٹھا دیا ہے۔ چھتوں پر اونچی آواز میں ڈیک لگا کر لوگ موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ نوجوان بھنگڑے ڈال کر موج مستیوں میں مصروف ہیں۔ ہر طرف سے ''وہ کاٹا''، ''بوکاٹا'' کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ، آتش بازی اور دھماکوں سے علاقے گونج رہے ہیں...... خوشی اور مسرت کے شادیانے بج رہے ہیں۔ ٹی وی چینلز بھی اس ''پُر مسرت'' موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ زندہ دلان کے انٹرویو ہو رہے ہیں: ''بسنت کی مخالفت کرنے والے معاشرے کی اقلیت ہے۔ سال میں ایک ہی تو خوشی کا دن ہوتا ہے اس پر بھی عدالت پابندی لگائے تو پاکستانی کہاں جائیں؟ دو دن کی زندگی ہے، انجوائے کر کے ہی گزارنی چاہیے۔ جن لوگوں کو بسنت اچھا نہ لگے وہ اپنی آنکھیں اور کان بند کر لیں......'' وزراء اور مشیروں کی حفاظت کے لیے پولیس کی بھاری نفری موجود ہے۔ پولیس والے اپنا فرضِ منصبی پورا کرنے کے لیے سیڑھیاں لگا کر چھتوں پر چڑھ رہے ہیں۔ بجلی کی بار بار ٹرپنگ سے ماحول رومانوی ہو جاتا ہے جس سے مزہ دوبالا سے ایک اور بالا ''سہ بالا'' ہو جاتا ہے۔

آخری منظر:

تیسرا منظر پڑھنے سے خود بخود اول الذکر دو منظر ذہن سے نکل جانے چاہییے کیونکہ یہی بہترین طریقہ ہے غم بھلانے کا۔ یہ بھی بھول جائیں کہ عین ''یومِ بسنت'' پر پانی پت کے شہدا کے جنازوں کو ایک دن بھی نہ گزرا تھا۔ دکھ درد بانٹنے کا اصل طریقہ تو یہ تھا کہ ان شہدا کے لواحقین کو بھی بسنت کے موج میلے میں شریک کر لیا جاتا جن کے پورے پورے خاندان ''لالہ ڈپلومیسی'' کی مکار سازش کے تحت سانحہ سمجھوتہ ایکسپریس کی نذر ہو گئے۔ جو کمی رہ گئی تھی وہ ہندوؤں کے مذہبی تہوار

بسنت ہی نے پوری کر دی۔ پانی پت کا میدان ہو یا لاہور کی سڑکیں...... دونوں جگہیں لاشوں کی وجہ ہندو ہی بنے۔ کہیں سازش کے تحت مارے گئے تو کہیں ثقافت کی ڈور چلا کر...... خون مسلمانوں کا ہی گرا اور نجانے کب تک گرتا رہے گا؟ لیکن انہیں کیا وہ تو اپنی خوشیاں مناتے رہیں گے۔ اگرچہ اس کی خاطر ''چند'' گردنیں ہی کٹ جائیں۔ آیندہ برسوں میں یہ درخواست ہے کہ غم کے مارے لوگوں کو بھی بسنت کی خوشیوں میں شریک کر لیا جائے غم بھلانے کے لیے...... لیکن ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رہے کہ کہیں ''تیسرے منظر'' میں ہی خاکم بدہن ''آخری فیصلہ'' نہ آجائے۔

''ریلیف کی لوٹ سیل''

عباس اطہر

ہماری حکومت ریلیف دینے کے معاملے میں بہت سخی ہے۔لیکن موسموں اور وقت کے مطابق دیتی ہے۔یعنی سردیوں کا ریلیف گرمیوں میں اور گرمیوں کا سردیوں میں۔ریلیف کی لوٹ سیل کی کیفیت یہ ہے کہ وہ سردیوں میں برف کوڑیوں کے بھاؤ بکواتی ہے اور گرمیوں میں ہیٹر چلانے کی مفت اجازت دے دیتی ہے۔گیس کی قیمت میں 7 سے 10 فیصد تک کی کمی معمولی نہیں۔حاتم طائی کی قبر پر وہ دولتی ہے جو سردیوں کے الوداع ہوتے ہی رسید کی گئی۔گرمیوں کا استقبال اس طرح کیا گیا کہ بجلی کے نرخ بڑھا دیئے گئے 10 فیصد کے معمولی اضافے سے عام آدمی پر کوئی خاص بوجھ نہیں پڑے گا۔واپڈا اور امپورٹڈ معاشی منیجروں کی مہربانی سے پہلے ہی عام آدمی کا بل صرف دو اڑھائی ہزار روپے ماہوار ہوتا ہے۔اس معمولی سے بل پر مزید معمولی سا یعنی 10 فیصد اضافہ دو اڑھائی سو روپے بنے گا۔عام آدمی کو اتنے ذرا سے بوجھ کا پتہ تک نہیں چلے گا۔کوئی پوچھے کہ عام آدمی الوداعی اور استقبالی تحفوں کی خبریں پڑھ کر چیخیں کیوں مار رہا ہے جواب سیدھا ہے۔بسنت اور جشن بہاراں نے اسے اتنی خوشیاں دی ہیں کہ وہ انہیں سہار نہیں پا رہا۔

جشن تو جشن ہی ہوتا ہے خواہ ملکوہ کا ہو یا بہار اور بسنت کا ہو۔لاہور میں پورے 2 دن دھاتی دوڑ اور کیمیکل والے تار ہر طرف قانون کا بول بالا کرتے رہے۔اندھا دھند فائرنگ حکومت کی رٹ کو سلامیاں پیش کرتی رہی۔گھروں میں دبکے ہوئے لاکھوں بد ذوق شہری بسنت کی مدھر موسیقی۔گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور بوکاٹا کے نعروں کی وجہ سے سو نہیں سکے لیکن وہ اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ انہیں تہجد پڑھنے اور صبح کی نماز ادا کرنے کا موقع مل گیا فجر وہ نماز ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں کی جانے والی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔اندازہ کریں کتنے لاکھ نمازیوں نے اپنے مہربان حاکموں کے حق میں کتنے خشوع وخضوع سے دعائیں کی ہوں گی۔

کہا جاتا ہے کہ اسٹیبلشمنٹ کا بیشتر حصہ پتنگ بازی کی اس شکل کا مخالف ہے جو گزشتہ چند برسوں سے متعارف کی گئی ہے لیکن اس جدت کے حامیوں نے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا اصولوں کی پاسداری کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینا جائز ہے۔ یہ قربانی خواہ کٹی ہوئی گردنوں کی شکل میں ہو یا جل کر راکھ ہونے والے گھریلو ساز وسامان کی صورت میں۔ ایک ہی بات ہے۔

سچ پوچھیے تو موجودہ نظام ایک عظیم انقلاب ہے۔ ہر عظیم انقلاب کھوٹے کو الگ کر کے صرف کھرے کو رائج کرتا ہے۔ دولت کی تقسیم سے لے کر مراعات کی تقسیم تک کھرے کو کھوٹے سے الگ کیا جا چکا ہے۔ آخر بسنت اس انقلاب کے ثمرات سے بہرہ ور کیوں نہ ہوتی۔ ایک غیر ملکی نشریاتی ادارے نے معاملے کی صورت کچھ یوں بیان کی ہے۔

''درمیانہ اور غریب طبقہ (بسنت سے) محروم ہو گیا ہے۔ اب بسنت کو ان گھرانوں تک محدود کر دیا گیا ہے جو بڑے اہتمام سے اور باقاعدہ تقریب منعقد کر کے بسنت منانا چاہتے ہیں''۔

اہتمام اور تقریب کا مطلب سمجھنے کیلئے خوشحالی کے جاری وساری کلچر کا تقاضا ہے کہ اہتمام کی ذمہ داری صرف انہیں ملنی چاہیے جو کروڑوں روپے خرچ کرنے کا سلیقہ رکھتے ہوں۔ وہ کھوٹے لوگ جو سو دو سو کی پتنگ خرید کر خود کو بسنتی سمجھنے لگتے تھے۔ اب اس میدان سے باہر ہو گئے ہیں۔

پاکستان کے عوام 47ء میں بظاہر انگریزوں کی غلامی سے نکل آئے تھے۔ اب نئی درجہ بندی کے تحت کوئی اپنی خواہشوں کا غلام ہے۔ کوئی کسی کی خواہشوں کا غلام۔ خلاصہ یہ ہے ہر کمزور طاقتور کی خواہشوں کا غلام ہے۔

ایک کروڑ کی آبادی کیلئے صرف پچاس ہزار موٹر سائیکل سواروں کو حفاظتی تار فراہم کیے گئے۔ اخبارات میں قانون پر عملدر آمد نہ کرنے والوں کو گرفتار کرنے کی دھمکی پر مبنی چند اشتہارات چھپے۔ پتنگیں ڈوریں بیچنے والے چند دکانداروں کے خلاف کریک ڈاؤن ہوا۔ چند مضحکہ خیز قوانین بنے۔ پتنگ کا سائز اتنا ہونا چاہئے۔ ڈور کی موٹائی اتنی ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہوا کیا؟ وہی جو ہر سال ہوتا ہے!

دوپہر 2 بجے کے قریب پہلی خبر آئی۔ گلشن راوی میں 8 سالہ بچہ گردن پر ڈور پھرنے سے

چل بسا۔ پھر موت نے گارڈن ٹاؤن کے علاقے کا رخ کیا۔ چھ سالہ بچی مریم کے سر میں اندھی گولی آ لگی۔ موت کبھی باغبانپورہ۔ کبھی مزنگ۔ کبھی وحدت کالونی سے گزری اور پھر دوسرے علاقوں کے چکر لگاتی رہی۔ شام تک چھ معصوم بچوں سمیت 17 افراد کو اچک کر لے گئی۔

بچے مر رہے تھے اور ٹی وی چینلوں پر یہ بحث ہو رہی ہے کہ بسنت ہونی چاہیے یا نہیں؟ یہ ہمارا تہوار ہے یا نہیں؟

ہمارے حکمران ریلیف دینے میں کبھی کنجوسی نہیں کرتے۔ نیپرا نے بجلی کے نرخوں میں 33 فیصد اضافے کی تجویز دی تھی۔ انہوں نے اس مد میں 23 فیصد کی رعایت دینے کے علاوہ گیس پر الگ ریلیف دے دیا۔

زر مبادلہ کے ذخائر بڑھتے جا رہے ہیں۔ نئے رنگوں اور ڈیزائنوں والے نوٹوں نے معیشت میں مزید رنگ بھر دیے۔ اور اب بسنت کی رنگا رنگی کے تو کہنے ہی کیا؟

ہمارے حکمرانوں پر خدا کی خاص مہربانی یہ ہے کہ انہیں بد دعا نہیں لگتی۔ ویسے بھی لوگ انہیں صرف دعا ہی دیتے ہیں۔

اُصولی موقف اور حق ہمسائیگی

خامہ بدست

چل میرے خامے بسم اللہ!

ہم پاکستانی عجیب قوم ہیں اپنے آپ کو دھوکا دینے کے لیے کچھ دن متعین کیے ہوئے ہیں۔ 5 فروری بھی ایسے ہی دنوں میں سے ایک ہے پوری قوم تمام کام چھوڑ دیتی ہے۔ سرکاری وغیر سرکاری طور پر ہڑتال ہوتی ہے۔ چھوٹے بڑے شہروں میں صبح صبح مقبوضہ کشمیر کے مظلوم عوام سے یکجہتی کے لیے اجتماعات ہوتے ہیں۔ رسمی اور گھڑے گھڑائے بیانات اخبارات کو جاری کیے جاتے ہیں۔ دن کے 10، 11 بجے تک ساری قوم کشمیریوں سے یکجہتی کے رسوم سے فارغ ہو جاتی ہے۔ پھر...... پھر اس کے بعد کشمیری عوام پر ظلم کرنے والے ہندوستان کی فلمیں دیکھ کر ہندوانہ تہوار بسنت مناتے ہوئے 10، 20 لاشوں کی بھینٹ دے کر اربوں روپے کی شراب پانی کی طرح بہا کر، ہوٹلوں کی چھتوں کو لاکھوں روپے ایک رات کے لیے بک کر کے کوٹھا کلچر کے فروغ کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے اخبارات ایک دن کشمیری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی تصاویر چھاپ کر ان کی مظلومیت کی داستان سنا رہے ہوتے ہیں اور ٹھیک اگلے ہی دن پتنگ اور ڈور بردار اپنی ہی بہو بیٹیوں کی رنگا رنگ تصاویر چھاپ کر بسنتی ماحول اُجاگر کر کے ہندوستان کا حق ہمسائیگی ادا کرتے ہیں۔

اخباری اطلاعات کے مطابق اس مرتبہ صرف لاہور میں 16 افراد بسنت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ شراب کا ایک ماہ کا کوٹہ جو صرف غیر مسلموں کے لیے ہوتا ہے 2 دن میں ختم ہو گیا۔ 4 اور 5 ستارہ ہوٹلوں اور کئی نامی گرامی خاندانوں کے گھروں کی چھتیں ایک رات کے لیے لاکھوں روپے میں بک ہوئیں۔ 500 افراد زخمی ہوئے، بجلی کی فراہمی کا سلسلہ بار بار منقطع ہونے سے کارخانوں میں کام بند رہا، کروڑوں کا نقصان ہوا اور ایک دن میں اربوں روپے بسنت کی نذر ہو گئے لیکن

قوموں کی تاریخ میں دوسری قوموں کے دانت کھٹے کرنے کے لیے یہ کوئی نقصان نہیں۔ ہم نے ہندوستان کے ثقافتی سفیروں یعنی فلمی اداکاروں اور اداکاراؤں کے ایک وفد کو بلوا کر بسنت دکھلائی تو ان کا سرکردہ فرد جو سیاست دان بھی ہے، شتروگن سنہا یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اس طرح تو بسنت ہندوستان میں بھی نہیں منائی جاتی۔

قارئین! ہمارے عمائدین نے اس بات کا تہیہ کر رکھا ہے کہ اگر ہم ہندوستان سے کشمیر آزاد نہیں کروا سکے تو کیا ہوا؟ ہم ہندوستان سے اس کی ثقافتی رسمیں تک چھین لیں گے اور پھر ان کے تہوار اس انداز سے منائیں گے کہ ہمارے دشمن ہندو والے یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ اس شاندار طریقے سے تو یہ تہوار ہمارے ہاں بھی نہیں منایا جاتا۔

5 فروری کو یومِ کشمیر اور 6 فروری کو بسنت منا کر ہم نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ اصولی موقف اور حق ہمسائیگی دونوں کے تقاضے اپنی اپنی جگہ پورے کیے جاسکتے ہیں۔ 5 فروری کو کشمیریوں کی حمایت میں جاری کیے جانے والے بیانات ہمارا اصولی موقف ہیں اور 6 فروری کو بسنت منانا ایک تاریخی حق ہمسائیگی کی ادائیگی ہے۔ چاہے ہمسائیگی کا یہ حق کسی گستاخِ رسول سے ہی وابستہ کیوں نہ ہو؟ دراصل ہماری قوم زندہ دلوں کی قوم ہے جو دنیا بھر کے دکھ درد اور غم برداشت کر کے بھی خوش ہونے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

کوئٹہ، مستونگ، سوئی، خاران، تربت، نوشکی، ڈیرہ غازی خان میں اگر دھماکے ہو رہے ہیں۔ اعلیٰ ترین سرکاری شخصیات اگر حفاظتی نکتہ نظر سے اپنے دفاتر نہیں جاسکتیں تو کیا ہوا......؟ پیٹرول، گیس اور بجلی کی قیمتیں بڑھنے سے قوم کو غم واندوہ کی جس وادی میں اُتارا جا رہا ہے اگر بسنت، ہیپی نیو ائیر اور ویلنٹائن ڈے منا کر قوم کو تھوڑی سی خوشی مل جائے تو حرج ہی کیا ہے؟ اور پھر ہمارا حکمران طبقہ خیر سے خود ان خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لیے اپنا حصہ ڈالتا ہے تو ان دقیانوسی یا سیت پسند طبقے کی پرواہ کون کرتا ہے جس کا کام ہی قوم کی خوشیوں کے رنگ میں بھنگ ڈالنا ہے۔

سنتے آئے ہیں کہ جب روم جل رہا تھا تو نیرو بانسری بجا رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نیرو کو جلتا ہوا روم دیکھتے وقت بانسری بجانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اب پتہ چلا کہ روم اور اس

کے گردونواح کے لوگ بسنت نہیں مناتے تھے ورنہ آج جب روم جلتا تو نیرو بانسری بجانے کی بجائے کسی فائیو اسٹار ہوٹل کی چھت پر چڑھ کر اصلی شیشے کے مانجھے کی ڈور سے پتنگ اُڑا رہا ہوتا۔

واہ رے مسلمان!

روٴف سلیم

جناب روٴف سلیم صاحب نے ''واہ رے مسلمان!'' کے زیرعنوان ایک عجیب اور دلچسپ مضمون سپردقلم کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

کس قدر باعث شرم ہے یہ بات کہ اگر ایک ہندو پاکستان آئے اور ہماری مسلمانی کا حال کچھ اس طرح بیان کرے:

''میرا نام وجے کمار۔ دھرتی ماتا ہندوستان کے شہر بمبئی کا باسی (رہنے والا) بھگوان کی کرپا (مہربانی) سے وہاں ایک بہت بڑے پلازے کا مالک ہوں۔ پچھلے دنوں ایک دوست کی دعوت پر آپ کے شہر اور پتاجی کی جنم بھومی (جائے پیدائش) لاہور آنا ہوا۔ من کی یہ اچھا (آرزو) بھی پوری ہوئی۔ اکثر اپنے بڑے بوڑھوں سے اس شہر کے تذکرے سنتا رہتا تھا۔ خصوصاً ''جنے لاہور نئیں ویکھیا اوجمیا ای نئیں!'' یہ جملہ میرے شوق میں اور اضافہ کرتا مگر یہاں آکر دیکھا تو نقشہ ہی کچھ اور تھا۔

میں نے سارا دن سیر میں گزارا۔ مینار پاکستان، بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ، مقبرہ جہانگیر، عجائب گھر، پھر اسی رات اوپن ایئر تھیٹر میں ڈرامہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بھگوان قسم! اتنی تو ہماری انڈین فلمیں لچر نہیں ہوتی جتنا کچھ انہوں نے ڈرامے میں کر دکھایا۔ سچ کہتے ہیں ''دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں'' ایشور کی لیلا (خدا کی قدرت) میں ہندوستان بیٹھا ساری عمر یہی سمجھتا رہا کہ پاکستان میں بہت زیادہ پابندیاں ہوں گی۔ پورے ملک میں شراب دیکھنے کو نہیں ملتی ہوگی۔ نماز کے وقت کاروبار بند ہو جاتے ہوں گے۔ عورتیں گھروں میں قید ہوں گی۔ اگر ضرورت کے وقت نکلتی بھی ہوں گی تو پوری طرح پردے میں لپٹی لپٹائی۔ تبھی تو اسے اسلام کا قلعہ کہتے ہیں مگر ''راہ پیا جانے واہ پیا جانے'' چاہے تمہیں برا لگے مگر میں تو آج سے اسے اسلام قلعہ نہیں بلکہ اسلام کے نام پر کلنک کہوں گا کہ مجھ جیسا پاپی جو شراب کے بغیر ایک گھنٹہ نہیں گزار سکتا۔ وہ بھی اس اسلامی جمہوریہ

پاکستان میں بہت خوش وخرم رہا اور ایک دن بھی میری روٹین خراب نہیں ہوئی۔ نماز کے وقت اسی طرح کاروبار چلتا رہا۔ بازاروں میں اسی طرح ریل پیل، اتنی زیادہ اذانیں ہونے کے باوجود کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ نہ ہونے کے برابر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں سے زیادہ مسجدیں تو ہندوستان میں آباد ہیں۔ شاید تمہاری ہی مسجدوں کے بارے میں علامہ صاحب نے فرمایا تھا ''مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے۔'' پھر یہاں فلمیں، ڈرامے، گانے، خوشی وغم کی تقریبات خصوصاً منہدی، مائیوں، بارات، سالگرہ اور عورتوں کا یوں بے پردہ پھرانا دیکھ کر یقین سا ہو گیا ہے کہ ضرور تم لوگ پہلے جنم میں ہندو تھے اور اگر برا محسوس نہ کرو تو اس جنم میں بھی۔ بس معمولی سا فرق ہے۔ بھگوان نے چاہا تو جس اسپیڈ سے کام جاری ہے، عن قریب یہ فرق بھی مٹادیں گے۔ سچ پوچھو تو اتنے دن محسوس ہی نہ ہوا کہ پاکستان میں ہوں یا ہندوستان میں۔

واپسی کا قصد کیا تو جن کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ اصرار کرنے لگے کہ کچھ دن اور ٹھہر جاؤ۔ جمعرات کی رات ہمارا بسنت میلہ تو دیکھتے جاؤ۔ خدا کی قسم! تم اپنی بسنت بھول جاؤ گے۔ مجھے پہلے سے بڑا تجسس تھا کہ بسنت سے پہلے اتنا کچھ ہو رہا ہے۔ تو بسنت کے موقع پر کیا ہوگا؟ میں لاہور کے جس علاقہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں سارا سارا دن بجلی کی آنکھ مچولی جاری رہتی۔ بجلی کی تاروں کا بار بار آپس میں ٹکرانا، وقفے وقفے سے دھماکوں کی آوازیں، لائٹ بند، پانی بند، مسجدوں میں وضو کے لیے پانی نہیں، چھتوں پر عجیب قسم کا شور۔ بار بار بجلی کے جھٹکوں سے اکثر فریج، موٹریں اور پنکھے وغیرہ جل گئے۔ کوئی ایک بھی اس زیادتی کے خلاف آواز نہ اٹھا سکا۔ ہر گھر خود اس جرم میں ملوث تھا۔ خود واپڈا والوں کا گزشتہ سال 3 گرڈ اسٹیشنوں میں آگ لگنے سے تقریباً 11 کروڑ کا نقصان ہوا۔ اس سال مزید ''برکت'' کی توقع ہے۔ اب تو لگتا ہے کہ جیسے بسنت ہمارا نہیں بلکہ تمہارا ہی کوئی مذہبی تہوار ہے کہ تمہاری حکومت بھی مجبور ہے کہ اگر اس پر پابندی لگائی تو بہت بڑا گناہ ہوگا تبھی تو اتنا جانی اور مالی نقصان برداشت کر رہے ہو۔ الٹا بار بار ٹی وی پر اشتہار آ رہا ہے کہ بسنت مناؤ ضرور مگر فائرنگ نہ کرو۔ دیکھنا! کل کہیں یہ اشتہار بھی نہ آنا شروع ہو جائے کہ شراب پیو ضرور مگر غل غپاڑہ نہ کرو۔

جمعرات کی صبح ہی بازاروں میں چہل پہل شروع ہوگئی۔ یوں لگا جیسے پورے شہر میں صرف ڈور پتنگوں کا ہی کاروبار ہوتا ہے۔ ہر شخص کے ہاتھ میں ڈور اور پتنگیں۔ کوئی خریدنے جار ہا ہے تو کوئی خرید کر لا رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو ان کے قد سے بڑے گڈے والدین خود خرید کر دے رہے تھے۔ دوپہر کو ہی دوکانیں بند ہونا شروع ہوگئیں۔ تمام بڑی بڑی شاہراؤں پر بے شمار بالکے (لڑکے) اونچے اونچے پتلے سے بانس جن کے اوپر خاردار جھاڑیاں لگیں تھیں۔ ہاتھوں میں لیے پاگلوں کی طرح منہ اٹھائے ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر اندھا دھند کسی نہ کسی کٹی ہوئی پتنگ کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ ہر کٹی ہوئی پتنگ کے استقبال کے لیے ایک بہت بڑا جلوس نیچے موجود ہوتا۔ پتنگ کے نیچے آتے ہی اس کی ہڈی پسلی ایک کر دی جاتی۔ کافی دیر تک میں سڑک کے کنارے کھڑا یہ دلچسپ منظر دیکھتا رہا اور اس دوران چنتا ہی لگی رہی کہ ابھی کوئی نہ کوئی تیز رفتار گاڑی کسی نہ کسی بچے کو روندتی ہوئی نکل جائے گی۔ ابھی ٹھیک ایک دن پہلے ایک نوجوان پتی پتنی (میاں بیوی) موٹر سائیکل پر جا رہے تھے کہ ایک پتنگ کی ڈور گلے پر پھرنے سے پتی کی شہ رگ کٹ گئی۔ جونہی موٹر سائیکل کنٹرول سے باہر ہوئی۔ دونوں پتی پتنی سڑک کے درمیان گرے اور پیچھے سے آنے والی ایک تیز رفتار ویگن نے دونوں کا کام تمام کر دیا۔

اے اسلامی جمہوریہ کے باسیو! ہم ''بد مذہبوں'' کو دیکھو! تم پتنگ بازی کے لیے ڈور کا دھاگہ بھگوان مارکہ، پانچ پانڈہ، دوریچھ، پانچ ریچھ، سات باز اور دو مور مارکہ، ہندوستان سے خریدتے ہو۔ تم ہی سے کمائی ہوئی دولت سے ہم کشمیریوں کے خلاف اپنی فوج کو مستقل چندہ بھیجتے ہیں۔ تم پان کھاتے ہو، پتنگیں اڑاتے ہو اور تمہاری ہی اس رقم سے ہم اگنی میزائل، ترشول، آکاش، ناگ، پرتھوی میزائل اور طرح طرح کے ہتھیار اور ایک بہت بڑی سینا (فوج) تمہاری ہی ضیافت کے لیے جمع کر رہے ہیں۔ ''تہاڈیاں جتیاں تہاڈے سر'' سنو! تمہارے علاوہ کسی ہمسایہ ملک سے ہماری دشمنی نہیں۔ یاد رکھنا! اگر یہ سب جدید ترین اسلحہ کام آئے گا تو صرف اور صرف تمہارے خلاف۔

جمعرات کی صبح ہی بازاروں میں بھیڑ لگ گئی۔ دوپہر کے بعد لوگوں نے دکانیں بند کرنا

شروع کر دیں۔ آہستہ آہستہ سورج ڈھلنے لگا۔ پھر رات کیا ہوئی جیسے دن چڑھ گیا ہو۔ ہر مکان کی چھت پر بڑی بڑی سرچ لائٹیں، بڑے بڑے اسپیکر بلکہ لاؤڈ اسپیکر، جن پر وقفے وقفے سے ''بوکاٹا'' کی آوازیں، ایک دوسرے کو جگتیں، غلیظ قسم کی گالیاں، مختلف انڈین گانوں کی آوازیں، کسی ایک کی بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ جیسے اکثر تمہارے ہاں ٹریکٹر ٹرالی والوں نے گانے لگائے ہوتے ہیں۔ حرام ہے جو ٹرالی والے کو خود بھی سمجھ آتی ہو کہ گانے والا یا گانے والی کیا بک رہے ہیں۔ پھر اندھا دھند فائرنگ، انتہائی جدید قسم کا اسلحہ، جس کی آواز میں عجیب قسم کی دہشت تھی۔ اتنی گولیاں تو ہمارے ہندو فوجیوں نے کشمیر میں بھی نہیں چلائی ہوں گی۔ جتنی تم نے اس ایک رات میں چلا دیں۔ ایمانداری سے بتانا! جس قوم کے افراد کے جسموں کا ایک ایک بال قرض کے بوجھ تلے دبا ہو۔ کیا اسے اس طرح کی عیاشی زیب دیتی ہے؟ اچانک پڑوس سے اطلاع آئی کہ فلاں چھت پر نامعلوم گولی لگنے سے ایک بہت ہی ایکسپرٹ پتنگ باز ''شہید'' ہو گیا۔ شہید ہونے والے مجاہد کا جوش اور جذبہ ایمانی دیکھو کہ اس نے آخری سانس تک پتنگ کو تھامے رکھا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ساتھی نے وہی پیچ جاری رکھا۔

اسی طرح سلسلہ چلتا رہا اور بسنت کی پوری رات مسلمانوں نے ''قیام اللیل'' میں گزار دی۔ اے شکل مومناں! اب تو تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم آنی چاہیے کہ ہم ہندو بہت سے خداؤں کو پوجتے ہیں۔ تم کیا ایک خدا کی پوجا کرتے ہو؟ تمہارا ایک خدا تمہیں ہر حال میں نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے تو دوسرا تمہیں بسنت، سالگرہ، شادی اور مرنے کے موقع پر نمازوں میں چھوٹ دے دیتا ہے۔ تمہارا رمضان کا خدا اور ہے، عام دنوں کا اور۔ تمہارا رمضان والا خدا لگتا ہے بہت زور آور ہے۔ جس سے تم اتنا زیادہ ڈرتے ہو۔ تمہارا ایک خدا ہر جگہ موجود ہے۔ تو دوسرا ہر جگہ موجود نہیں جس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تم پاپ (گناہ) کرتے ہو۔

ہمارے بسنت کے تہوار سے تمہاری محبت کی انتہا یہ ہے کہ اب یہ تہوار پورے ملک میں ایک ہی دن نہیں منایا جاتا بلکہ مختلف شہروں میں مختلف جمعہ کے دن مقرر ہیں۔ آج لاہور، اگلا جمعہ گوجرانوالہ، پھر وزیر آباد، گجرات، جہلم، راولپنڈی، فیصل آباد اور سیالکوٹ۔ بسنت کے لیے جمعہ

المبارک کا انتخاب کر کے تم مسلمانوں نے بہت اچھا کیا۔ بسنت جیسے تہوار کے لیے ایسا ہی متبرک دن ہونا چاہیے تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک شہر والے فارغ ہو کر دوسرے شہر والوں کا انتظار کرتے ہیں۔ باقاعدہ دعوت نامے بھیجے جاتے ہیں۔ دعوتیں اڑائی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں کی چھتیں بک ہوتی ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا کہ تم لوگ جیسے عیدین، شب برات اور معراج شریف کے موقعوں پر کپڑے بھیجتے ہو۔ اب بسنت کے تہوار پر لڑکی والے سوٹ بھیجتے ہیں۔

ہمارے پریم (محبت) میں تم لوگوں نے بسنت تو منانا شروع کر دی اور اس پریم میں ہم سے بھی آگے نکل گئے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ بسنت منانے والا کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں ہوگا جسے یہ معلوم ہو کہ ہم ہندوؤں نے بسنت کیوں منانا شروع کی اور یہ کس کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ شاید یہ بات کوئی ہندو کبھی بھی بتانا گوارہ نہ کرے اور میں بھی نہ بتلاتا مگر چند دن یہاں رہ کر تمہارا نمک کھایا ہے۔

بسنت اور سکھ مؤرخ:

لو سنو! ہمارے ایک بہت ہی قابل سکھ مؤرخ جناب ڈاکٹر بی ایس نجار (Dr. B.S Nijjar MA. PHD(History) M.A.O.l(Persian) M.A(punjabi) نے اپنی کتاب ''پنجاب آخری مغل دور حکومت میں'' (Punjab Under the Later Mughals) میں ذکر کیا ہے، جبکہ زکریا خان (1707-1759) پنجاب کا گورنر تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ حقیقت رائے باکھ مل پوری سیالکوٹ کے کھتری کا لڑکا تھا۔ حقیقت رائے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لیے لاہور بھیجا گیا۔ اس واقعہ سے پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔ حقیقت رائے کی یادگار (مڑہی) کوٹ خواجہ سعید (کھوجے شاہی) لاہور میں ہے۔ اب یہ جگہ ''باوے دی مڑہی'' کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں ہندو رئیس کالو رام نے بسنت میلے کا آغاز کیا جس کی یادگار بھی اسی علاقہ میں قبرستان کے ساتھ موجود ہے۔ بھاٹی گیٹ سے 60 نمبر ویگن کا آخری اسٹاپ بھی یہی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ 279 پر لکھا ہے کہ پنجاب میلہ اسی حقیقت رائے (گستاخ رسول ؐ) کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

اب انتہا کی بے غیرتی ہے تمہارا بسنت منانا۔ کہاں گیا تمہارا ایمان، کہاں گیا تمہارا عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم؟ کیا تمہارا ''مردہ ضمیر'' تمہیں بسنت منانے پر ملامت نہیں کرتا؟ بتاؤ! اگر قیامت کے دن تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کی عدالت میں تمہارے خلاف مقدمہ کر دیا کہ اے اللہ! یہ ہیں وہ بد بخت جو مجھے اور میری پیاری بیٹی کو گالیاں دینے والے کی یاد مناتے رہے۔ سوچو! تمہارا خدا تمہارا کیا حشر کرے گا؟ کیا پھر بھی تمہیں سورگ (جنت) ہی ملے گی؟ نہیں! آگ میں پھینکے جانے کے قابل ہو تم۔ لگتا ہے تم لوگ بھی بھگوان کے سر سے پیدا ہوئے ہو کہ چاہے شراب پیو، زنا کرو، قتل و غارت کرو اور جو جی میں آئے کرو پھر بھی پوتر کے پوتر۔ پھر ایک طرف پورا ملک سراپا احتجاج ہے کہ گستاخ رسولؐ کی سزا صرف اور صرف موت ہونی چاہیے۔ دوسری طرف پورا ملک ایک ہندو گستاخ رسولؐ اور ہمارے قومی ہیرو، حقیقت رائے کی یاد کتنے زور وشور سے مناتا ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ تمہاری ایک ایک حرکت سے دوغلا پن چھلکتا ہے۔ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں (محمد) اس کو اس کے باپ، بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالو! کیا اس حدیث میں لکھا ہے؟ سوائے بسنت کے۔

''کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں ہے''

آج کہاں ہے ہمارے ہیرو راج پال کا قاتل غازی علم دین۔ کاش! میری آواز اس تک پہنچ سکے کہ اے علم دین! آ: دیکھ آج تیرے شہر والے جن کو تو نے تختہ دار کے قریب رک کر کہا تھا۔ لوگو! گواہ رہنا، میں نے ہی راج پال کو حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر قتل کیا تھا اور آج اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہوئے ان پر اپنی جان نثار کر رہا ہوں۔ آ دیکھ! آج تیرے وہی گواہ اور گستاخ رسول ﷺ کی یاد منا رہے ہیں۔

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہم لوگ تم سے زیادہ قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بھلے اعتراضات ہی ڈھونڈتے ہیں۔ تم بڑے ٹیکشن (مسلمان) بنے پھرتے ہو۔ ایمانداری سے بتانا! کیا تمہارا قرآن ایسی بسنت منانے والوں کو شیطان کا بھائی قرار نہیں دیتا۔ خیر! تم کیا جواب دو

گے؟ تم غریبوں کو کیا پتہ قرآن میں کیا لکھا ہے؟ تم کون سا سمجھ کر پڑھتے ہو؟ پھر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ''مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جس کے ایک حصہ کو تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔'' کیا تمہارے جسم کے کشمیر، فلسطین، چیچنیا اور بوسنیا والے حصے میں تکلیف نہیں؟ کیا تم نے کبھی درد محسوس کیا؟ اے غیرت مند مسلمانو سنو! ایک رات ٹی وی اسکرین پر ایک کشمیری نوجوان ہندوستانی فوج کے مظالم کی بپتا (داستان) سنا رہا تھا: ''ہمارا پورا گھرانہ ہندو فوجیوں نے مجاہدین کو پناہ دینے کے شک میں گرفتار کرلیا۔ ایک ہندو افسر نے میرے سامنے میری بہن کے سارے کپڑے اتار دیے۔ وہ بے چاری چیخ چیخ کر دیا (رحم) کی بھیک مانگتی رہی۔ وہ شیطان قہقہہ لگا کر بڑی حقارت سے بولا! مسلم کنیا (مسلمان لڑکی) آج اتنا چلا کہ تیری آواز محمد بن قاسم کی قبر کی دیواروں سے جاٹکرائے۔ پھر اس ظالم نے میری آنکھوں کے سامنے اسے بالکل برہنہ کر دیا۔ کاش! یہ منظر دیکھنے سے پہلے میں مرگیا ہوتا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ پاس کھڑے ایک ہندو فوجی نے میری آنکھوں میں برچھا مارا اور کہنے لگا۔ دیکھ! اے سلطان ٹیپو کی اولاد دیکھ!۔ آج تجھے یہ منظر دیکھنا پڑے گا۔ میں ہاتھ جوڑ کر واسطے دیتا رہا۔ خدا کے لیے میری آنکھیں نکال دو۔ میری جان لے لو۔ مگر میری بہن کو کچھ نہ کہو۔''

یہ منظر دیکھ کر بھگوان کی قسم! ہندو ہونے کے باوجود میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ مسلمانو! تم میں تو شاید غیرت نام کی کوئی چیز ہی باقی نہیں رہی۔ تم میں اگر رتی بھر بھی غیرت ہوتی تو چھوڑ دیتے ہمارے گانے سننا، چھوڑ دیتے ہماری فلمیں دیکھنا اور چھوڑ دیتے بسنت منانا۔ مگر نظر یہی آتا ہے کہ تم میں سے صرف غیرت ایمانی کا ہی نہیں، غیرت انسانی کا بھی جنازہ نکل چکا ہے۔ مومنو! تمہاری غیرت کا اندازہ تو ہم نے اسی دن لگالیا تھا جس دن ہم نے بابری مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔

بسنت: ایک لمحہ فکریہ

ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی

بسنت ایک لمحہ فکریہ:

بسنت کو ایک تہوار کی شکل دے دی گئی ہے۔ اسلام میں اجتماعی طور پر صرف دو تہوار رکھے گئے ہیں جنہیں ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے رہنے والے پہلے سے کئی تہوار منایا کرتے تھے اور اس میں وہ سب کچھ کرتے تھے جو آج کی دنیا میں تہواروں کے نام سے کیا جاتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تہواروں اور ان پر کئے جانے والے معاملات پر پابندی لگا کر صرف ان دو تہواروں کی اجازت دی اس لیے موسم کے بہانے سے یا ثقافت کا نام دے کر اپنی طرف سے ایک تہوار مقرر کر لینا اس کی کسی طرح بھی گنجائش نہیں۔ تہواروں سے ہی کسی قوم کی تہذیبی شناخت ہوتی ہے۔ یہ سراسر اللہ کی صفت ہے جس کا حق کسی اور کو نہیں پہنچتا۔ بسنت میں جس طرح کے مشاغل اختیار کر لیے گئے ہیں جس کی انسانیت میں بھی کوئی گنجائش نہیں چہ جائیکہ اسلام اس کی اجازت دے۔ پتنگ بازی کے بہانے سے لوگوں کی پرائیویسی کا حق پامال کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ وہ قوم کر رہی ہے اور اس کے عمائدین حوصلہ افزائی کر رہے جس میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر منڈیر کی چھت پر سونے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ مبادا کوئی شخص بے خیالی یا نیند میں چھت سے نیچے نہ گر پڑے۔ ہماری بدنصیبی اس پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ہم نے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قومی خودکشی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ روم جلتا ہے تو جلے نیرو کو تو بانسری بجانے سے غرض ہے۔ پاکستان کا ہر فرد جانتا ہے کہ پورا ملک اقتصادی بحران کا شکار ہے اور ہم گردن تک قرض کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم ایسے لایعنی مشاغل سے توبہ کر کے قوم اور ملک کے لیے ایک ایک پیسہ بچاتے مگر

ہم نے تو گھر پھونک کر تماشا دیکھنے کا رویہ اپنا لیا ہے۔ پہلے تو صرف پتنگ بازی ہوتی تھی، اب تو دھاتی تار کے استعمال سے جانوں کے اتلاف اور ٹرانسفارمرز اور گرڈ اسٹیشنوں کی تباہی کی صورت میں ملک وقوم کی قسمت کو داؤ پر لگا دیا گیا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ کیسی ثقافت ہے جو کالی دیوی کی طرح کتنی معصوم جانوں کا خون پیتی ہے اور ملک کے وسائل کی تباہی سے خوش ہوتی اور پروان چڑھتی ہے۔ بسنت نہ کوئی قومی تہوار ہے اور نہ ثقافتی ہے، نہ کوئی صحت مند تفریح ہے بلکہ یہ سراسر تباہی اور بربادی کا ایک ذریعہ ہے۔ (روزنامہ ''نوائے وقت'' 13 فروری 1999ء)

شریعت کیا کہتی ہے؟

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، یہاں اہل مدینہ دو تہوار منایا کرتے تھے، ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ تہوار جو تم مناتے ہو ان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں یہ تہوار منایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لیے مقرر کیے ہیں اور وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ہیں''۔ (ابوداؤد)

اس روایت میں بتایا کہ مسلمانوں کو ان تہواروں سے روک دیا گیا جو زمانہ جاہلیت میں وہ منایا کرتے تھے۔

(2) صحیح بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں چاہیے اس ہندوانہ راہ ورسم کو نہ صرف خود چھوڑیں بلکہ اس کی ڈٹ کر مخالفت بھی کریں۔

(3) صحیح بخاری شریف ہی کی ایک دوسری روایت ہے جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں چھوٹی کرو۔ جب یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا یہاں حکم دیا گیا تو اس میں یہی حکمت کارفرما تھی کہ مسلمان ان کے ساتھ مشابہت نہ رکھیں بلکہ مسلمانوں کو ان سے ممتاز اور علیحدہ

رہنا چاہیے۔ یہود کی طرح ہنود کی رسم بد کو بھی بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہیے۔

(4) مسلم شریف کی ایک روایت میں مسلمانوں کو اہل کتاب کے ساتھ معمولی سی مشابہت رکھنے سے بھی روک دیا گیا ہے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان سحری کھانا ہے۔ اہل کتاب دن رات کا روزہ رکھتے ہیں، سحری نہیں کھاتے، اس لیے فرمایا گیا کہ تم سحری کھایا کرو۔

(5) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت سمجھو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے..... صحت کو بیماری سے پہلے..... مالداری کو فقیری سے پہلے..... فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔ (مشکوٰۃ)

اس مقام پر فراغت کو مشغولیت سے پہلے غنیمت سمجھنے کا حکم دیا گیا۔ اس فراغت کو غنیمت سمجھنے کا مطلب اپنے کو ہر دم یادِ خدا میں مشغول رکھنا ہے لہو ولعب اور پتنگ بازی میں اس فراغت کا استعمال وقت کا زیاں ہے۔ اگر انسان یونہی فضول کاموں میں وقت ضائع کرے گا تو بارگاہِ رب العالمین میں اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

(6) لاکھوں روپے کے پتنگ اور ڈوریں استعمال کی جاتی ہیں، جن کا دنیوی فائدہ ہے اور نہ ہی اخروی، سوائے فضول خرچی کے اسے کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا اور فضول خرچی کرنے والے کو رب العالمین نے برادرِ شیطان قرار دیا ہے۔ اس لیے برادر شیطان کہلوانے سے بہتر ہے کہ مسلمان اس کام کو ترک کر دیں۔

(7) بارگاہ خداوندی میں انسان سے یہ سوال بالکل نہیں پوچھا جائے گا کہ اس نے کتنی پتنگیں اڑائی تھیں اور کتنے پیچ لڑائے تھے اور کتنوں کے پتنگ کاٹے تھے؟ اس کے برعکس بارگاہ خداوندی سے ابن آدم کو اس وقت تک ہلنے نہیں دیا جائے گا جب تک اس سے یہ نہ پوچھ لیا جائے:

اس نے عمر کہاں گزاری؟

جوانی کس کام میں لگائی؟

مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟

علم پر کتنا عمل کیا؟

(8) پتنگ بازی کا مشغلہ انسان کو یاد خدا سے غافل کر دیتا ہے، اس لیئے ہر اس تفریح اور مشغلہ کو باطل قرار دیا گیا جو یاد حق سے غافل کر دے۔

(9) اسلامی تعلیمات میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، لیکن پتنگ بازی میں اس کے برعکس ہوتا ہے، جس کی پتنگ کٹتی ہے اسے غصہ آتا ہے۔ وہ بڑبڑاتا ہے۔ پھر جو کچھ منہ میں آتا ہے وہ کہتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات بات طول پکڑ جاتی ہے تو ہاتھ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے۔

(10) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینکنے سے منع کیا ہے۔ اس ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ نہ اس سے شکار ہو سکتا ہے اور نہ اس سے دشمن زخمی ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ کنکری کسی کا دانت توڑ سکتی ہے یا آنکھ پھوڑ سکتی ہے۔ اسی طرح پتنگ بازی سے انسانی جسم و جاں کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ ایسا کھیل ہے جس سے جہادی کام کیا جا سکے۔

پتنگ بازی اور مفتیان کرام:

دارالافتاء والارشاد کراچی کے سربراہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ سے پتنگ بازی کے بارے میں سوال کیا گیا، اس کے جواب میں انہوں نے لکھا:

پتنگ اڑانا جائز نہیں ہے اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

"(1) کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول ﷺ رأى رجلا يتبع حمامة، فقال: "شيطان يتبع شيطانة". (أبو داؤد)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دنیویہ سے غفلت ہوتی ہے۔

(2) مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے غافل ہو جانا، شراب اور جوے کے حرام ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی ہے۔ "ويصد كم عن ذكر الله، وعن الصلوة".

(3) پتنگ اکثر مکانوں کی چھتوں پر اڑائے جاتے ہیں جس سے آس پاس والے گھروں

میں بے پردگی ہوتی ہے۔

(4) بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گر جاتے ہیں۔ چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو۔

(5) بے جا مال سرف کرنا تبذیر اور حرام ہے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ معصیت وتفاخر ہے جو حرام ہے اور اس پر کفر کا خطرہ ہے۔'' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (احسن الفتاویٰ: 8/177)

دارالعلوم دیوبند کے فاضل مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتر بازی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ کبوتر کے پیچھے دوڑتے ہوئے ایک شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان شیطان کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔'' (ابوداؤد) کبوتر بازی ہی پر پتنگ بازی کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہ کراہت عام حالات میں تو ہے ہی اگر اس کے ساتھ جوا اور دو طرف شرط بھی ہو، تب تو حرام نیز اور بھی سخت گناہ کا باعث ہوگا۔'' (جدید فقہی مسائل: 194)

پتنگ بازی کی خرابیاں:

جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد الحدیث مولانا محمد اشرف عثمانی صاحب نے کھیل وتفریح پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ تحریر کرتے ہیں:

''بعض شہروں میں خاص موسم پر اس کھیل کا رواج ہے۔ ''بسنت منانے'' کے عنوان سے قوم کے لاکھوں روپے بلاوجہ ضائع ہوتے ہیں۔ بعض مقامات پر وہ ہلڑ بازی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ۔''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ، نے قرآن وسنت اور عقل سلیم کی روشنی میں اس کھیل کی جو خرابیاں بیان کی ہیں وہ ہم کچھ اضافہ، کمی اور ترمیم کے ساتھ اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

(1) پتنگ کے پیچھے دوڑنا: اس کا وہی حکم ہے جو کبوتر کے پیچھے دوڑنے کا ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا ہے۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص 386)

(2) دوسروں کی پتنگ لوٹنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جسے بخاری و مسلم نے نقل کیا۔ ''نہیں لوٹتا کوئی شخص اس طرح لوٹنا کہ لوگ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں اور وہ پھر بھی مومن رہے۔'' یعنی دوسروں کی چیز لوٹنا ایمان کے منافی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ پتنگ لوٹنے میں مالک کی اجازت ہوتی ہے اس لیے حدیث شریف کی وعید کا اس سے تعلق نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مالک کی اجازت ہرگز نہیں ہوتی چونکہ عام رواج اس کا ہو رہا ہے اس لئے خاموش ہو جاتا ہے۔ دل سے ہرگز رضامند اور خوش نہیں۔ اگر اس کا بس چلے تو وہ خود دوڑے اور کسی کو اپنی پتنگ نہ لوٹنے دے۔ یہی وجہ ہے کہ پتنگ کٹ جانے کے بعد آدمی جلدی جلدی ڈور کھینچتا ہے کہ جو ہاتھ لگ جائے غنیمت ہے۔

(3) ڈور لوٹ لینا: ڈور لوٹنے میں پتنگ لوٹنے سے زیادہ قباحت ہے کیونکہ پتنگ تو ایک ہی آدمی کے ہاتھ آتی ہے اور ڈور کئی لوگوں کے ہاتھ لگتی ہے۔ بہت سے آدمی گناہ میں شریک ہوتے ہیں اور ان تمام آدمیوں کے گناہگار ہونے کا باعث وہی پتنگ اڑانے والا ہوتا ہے اور مسلم شریف کی ایک حدیث کے مطابق ان سب کے برابر اس اکیلے اڑانے والے کو گناہ ہوتا ہے۔

(4) دوسرے کو نقصان پہنچانے کی نیت: اس پتنگ بازی میں ہر شخص کی یہ نیت اور کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے کی پتنگ کاٹ دوں اور اس کا نقصان کر دوں۔ حالانکہ مسلمان کو نقصان پہنچانا حرام ہے اور اس حرام فعل کی نیت سے دونوں (یعنی کاٹنے والا اور کٹوانے والا) گناہگار ہوتے ہیں۔

(5) نماز اور خدا کی یاد سے غافل ہو جانا: یہ وہ بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں شراب اور جوے کے حرام ہونے کی علت بتائی ہے۔ (دیکھیں: سورۂ مائدہ: آیت 91)

(6) بے پردگی ہونا: بالعموم پتنگ بازی چھتوں پر چڑھ کر کی جاتی ہے جس سے قرب و جوار کے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور بے پردگی علیحدہ ہوتی ہے۔

(7) جان کا نقصان: پتنگ بازی کے دوران چھت سے گر کر مرنے یا ہاتھ پاؤں ٹوٹنے کی خبریں اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ اسی طرح پتنگ یا ڈور لوٹنے کے دوران ٹریفک کے حادثات بھی اب

بکثرت ہونے لگے ہیں۔ بعض کی خبریں اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں اور بہت سے واقعات نامہ نگاروں تک بھی نہیں پہنچ پاتے۔ جس کھیل میں انسانی جان ضائع ہونے لگے اسے کھیل کہنا عقل کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم پر اس قدر مہربان ہیں کہ جس چھت پر منڈیر نہ ہو اس چھت پر سونے سے منع فرمایا کہ مبادا اچانک اٹھ کر چلنے سے نیچے گر پڑے اور جانی نقصان ہو جائے تو اس کھیل کی کیوں ممانعت نہ ہوگی جس میں اب آئے دن جانی نقصان ہوتا رہتا ہے؟

(8) مالی نقصان: پتنگ بازی میں قوم کا لاکھوں روپیہ بلا وجہ ضائع ہو جاتا ہے۔ پتنگ ڈور تو مہنگی ہوتی ہی ہے، اب اس کے ساتھ لائٹنگ، لاؤڈ اسپیکر، دعوت وغیرہ کے التزامات بھی ہونے لگے ہیں۔

(9) دیگر گناہ: ان سابقہ خرابیوں کے علاوہ اب ہمارے دور میں پتنگ بازی کے موقع پر ہوائی فائرنگ، لاؤڈ اسپیکر پر نعرہ بازی، گانا بجانا، مرد عورتوں کا مخلوط اجتماع بھی بکثرت ہونے لگا ہے۔ ان میں ہر کام بذات خود ناجائز ہے اور جو کھیل ان سب گناہوں پر مشتمل ہو اس کے جائز ہونے کا کیا سوال ہے؟

(10) سابقہ وجوہات کی بنا پر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پتنگ بازی کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ یعنی موجودہ صورت میں پتنگ اڑانا، پتنگ لوٹنا، ڈور لوٹنا، پتنگ بیچنا خریدنا سب ناجائز ہے۔ حتیٰ کہ اس پیشہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو کوئی دوسرا جائز پیشہ اختیار کرنا ضروری ہے جس کی آمدنی شرعاً حلال ہو۔ (کھیل وتفریح کا شرعی حکم)

مولانا محمود اشرف عثمانی لکھتے ہیں:

''یہ حکم رائج الوقت پتنگ بازی کا ہے جس میں مندرجہ بالا مفاسد یقینی طور پر پائے جاتے ہیں جس کا ہر آدمی مشاہدہ کر سکتا ہے بلکہ یہ مفاسد روز بروز ترقی پر ہیں، لیکن اگر کوئی بچہ ہلکا پھلکا رنگین کاغذ دھاگے میں باندھ کر پتنگ کی طرح ہوا میں اڑائے جس میں مندرجہ بالا خرابیاں موجود نہ ہوں جو اوپر تحریر کی گئیں تو پھر اس کا وہ حکم ہوگا جو چھوٹے بچے کے لیے غبارہ اڑانے کا ہے کہ گو وہ مفید نہ سہی مگر ناسمجھ بچوں کے اس میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔''

اداریے

(1)

کہیں یہ جشن ہمیں لے ہی نہ ڈوبیں

لاہور میں ہندوانہ تہوار بسنت کی ہڑبونگ میں چار افراد ہلاک ہو گئے ہیں۔ان ہلاکتوں اور وسائل کے ضیاع سے بڑھ کر نقصان اور افسوس کا باعث یہ ہوا ہے کہ متعصب ہندو لیڈر بال ٹھاکرے نے مملکت اسلامیہ کے صوبائی دار الحکومت میں اتنے بڑے پیمانے پر یہ ہندوانہ رسم منائے جانے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے اپنی اہم کامیابی قرار دیا ہے۔قرضوں کے بوجھ تلے دبے، بیروزگاری، مہنگائی اور معاشی ابتری کے شکار ملک میں پہلی مرتبہ اس تہوار کو سرکاری سرپرستی میں منایا گیا۔شب بھر میں ہزاروں لاکھوں روپے بے جا مصرف پہ پھونک ڈالے گئے۔ رقص، ہوائی فائرنگ، بے ہنگم موسیقی اور شور شرابے نے پوری رات لاہور شہر اور اس کے باسیوں کو اپنی گرفت میں لیے رکھا۔بعض دانشوروں کی طرف سے اسے بسنت کی بجائے ''جشنِ بہاراں'' کا نام دے کر قومی تہوار کا رنگ دینے کی مہم جاری تھی کہ ملک کی مقتدر ترین ہستی نے اسے غریبوں کے فائدے اور ملک میں سرمایہ کاری کا ذریعہ قرار دے کر سندِ جواز عطا کر دی ہے اور اگلے برسوں نجانے اس تہوار کی تقریبات کیا رُخ اختیار کریں گے؟ کسی چیز کے اختیار کرنے یا چھوڑنے کا فیصلہ کرتے وقت نجانے ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم ایسی ملت کے فرد ہیں جس کی کامرانی اور ناکامی کے لیے خالقِ کائنات نے کچھ اصول طے کر رکھے ہیں، ان سے ہٹ کر ہم فلاح کی راہ تلاش کریں گے تو کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ایک ایسی چیز جو نہ صرف یہ کہ ہمارے مذہب کی رو سے قطعاً غلط ہے بلکہ ہمارے دشمنوں کی تہذیب اور ان کی نظر میں ہماری تذلیل کا باعث ہے، ایک زندہ اور غیرت مند قوم کس طرح بڑھ چڑھ کر اختیار کرتی جا رہی ہے۔کیا ہم ملّی حمیت کے لحاظ سے اس قدر گر چکے ہیں کہ ہم پر اپنے بدترین دشمن کے طعنوں کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ بال ٹھاکرے نے ویلنٹائن ڈے کو عیسائی رسم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو لوگ یہ دن منانا چاہتے ہیں

وہ امریکا چلے جائیں۔ بت پرستی جیسی حماقت کے شکار جنونی تو غیروں کی تہذیب سے اتنے متنفر ہیں لیکن آسمانی تعلیمات پر یقین رکھنے والے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار اپنے جانی دشمن کی رسوم کے اس قدر دل دادہ ہیں کہ غیر مسلموں سے بڑھ کر ان تہواروں کو منا رہے ہیں۔ آخر اخلاقی گراوٹ اور ملی غیرت سے محرومی کی کوئی حد بھی ہے؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اس تہوار سے غریبوں کو اگر کوئی فائدہ ہوا بھی تو کیا یہ اس نقصان کی تلافی کر سکتا ہے جو ان دنوں لٹائی گئی دولت سے ہوا؟ بیرونِ ملک کی سرمایہ کاری کو راغب کرنے کے لیے اگر ہمیں اپنی شناخت کھونی پڑے یا قومی غیرت کو گروی رکھنا پڑے تو کیا ہم یہ بھی کر گزریں گے؟ ایک طرف ہمیں سخت دشمنوں کا سامنا ہے، ملک کی معیشت قرضوں کے بوجھ تلے اُکھڑتے سانس لے رہی ہے، بیروزگاری کے ہاتھوں تنگ آئے نوجوان خودکشیاں کر رہے ہیں، ان حالات میں ہم خدا تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو کر اپنے گناہوں کی معافی اور اس کی رحمت طلب کرنے کی بجائے ساری رات اس کی نافرمانی میں جاگ کر گزار رہے ہیں، یہ سب کچھ ہماری تباہی کی علامات ہیں یا بھلائی کی نوید ہیں؟ اس کا فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ ہم قدرتی آفات اور غیروں کی غلامی سے بچنے اور ایک زندہ و باشعور قوم کی طرح رہنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

(2)

اس طرح کی رسومات پر مکمل پابندی ضروری ہے

پچھلے دنوں یہ خوش آیند خبر پڑھنے کو ملی ہے کہ کراچی میں بسنت کے تہوار کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے کراچی کے اضلاع میں دفعہ 144 لگا کر بسنت کے تہوار پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ خبر کے مطابق ڈپٹی کمشنر ساؤتھ نے ضلع میں کئی فائیو اسٹار ہوٹلوں کو نوٹس بھیجے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ یہ غیر اسلامی، پیسے کا زیاں اور انسانی جانوں کے لیے نقصان دہ تہوار ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ پنجاب بالخصوص لاہور میں 17 فروری کو منائے جانے والے اس تہوار کے لیے لاہور میں 16 سے 18 فروری تک مختلف پروگرام ترتیب دیے گئے ہیں، جنہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ واضح رہے کہ محققین کے مطابق جشن بہاراں کے نام سے منعقد کیا جانے والا یہ تہوار درحقیقت کالو رام کی یاد میں منایا جاتا ہے کیونکہ جب کالو رام کو موت کی سزا ہوئی اس دن بسنت معرض وجود میں آیا۔ یہ خالصتاً غیر اسلامی تہوار سالہا سال سے اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ملک میں سرکاری سطح پر منایا جا رہا ہے۔ جبکہ شرعاً ممنوع ہونے کے ساتھ اس کی دنیوی نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی عاقل اس کو درست نہیں کہہ سکتا۔ اس تہوار کے دنوں میں قرضوں میں گھرے ہوئے اس ملک کے عوام ہزاروں لاکھوں روپے کاغذ کی پتنگوں پر اڑا دیتے ہیں، چھتوں سے گر کر اور فائرنگ کی زد میں آ کر کتنی ہی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں بلکہ اب تو اس بہانے سے بڑے بڑے ہوٹلوں میں مخلوط اجتماعات ہوتے ہیں جن میں غیر ملکی سفیروں اور این جی اوز کے نمایندے خصوصیت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں جو ہمارے ملک میں فحاشی اور عریانی کو فروغ دینا چاہتے ہیں، اسی طرح یہ تہوار ہماری اخلاقی اقدار کے لیے زہر قاتل بنتا جا رہا ہے۔ اس بنا لیے پر حکومت پر لازم ہے کہ جن وجوہ کی بنا پر کراچی شہر میں اس قبیح تہوار پر پابندی عائد کی گئی

ہے انہی وجوہ کی بنا پر ملک بھر میں اس پر پابندی لگائے۔ جو حضرات اس کو خوشی کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ خوشی خوشی میں کسی کی جان لینا کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ روز نامہ جنگ میں خبر شائع ہوئی ہے کہ لاہور میں پتنگ بازوں کی ہوائی فائرنگ سے ایک 18 سالہ نوجوان شہزاد حسین ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح کے دل دوز واقعات اس تباہ کن رسم کے دوران بکثرت پیش آتے ہیں۔ لوگوں کی جس خوشی کے پیچھے ہلاکتیں پوشیدہ ہوں اس کی اجازت کس طرح دی جا سکتی ہے؟ لہٰذا حکومت کو اس تہوار اور ان تقریبات پر مکمل پابندی عائد کرنا ہو گی ورنہ شہزاد حسین جیسے کئی نوجوان اس تہوار کی بھینٹ چڑھ جائیں گے۔ حضرات علماء کرام اور اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اس رسمِ بد کے خلاف آواز اٹھائیں۔ حکومت سے اس پر پورے ملک میں پابندی لگوانے اور عوام کو اس مہلک رسم سے بچانے کی پوری کوشش کریں۔

(3)

بسنت میلہ...... حکمران طبقے کے لیے سوال نامہ

ہر سال کی طرح اس بار بھی لاہور میں ایک گستاخ رسول کی یاد میں منائی جانے والے ہندوانہ تہوار بسنت کی تقریبات جوش وخروش سے منائی گئیں، جس میں کم از کم 20 افراد ہلاک اور سیکڑوں زخمی ہوگئے۔ دریں اثناء بسنت میلے میں صدر مملکت جنرل پرویز مشرف، وفاقی وزرا، فوجی افسران، سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کی بڑی تعداد نے گرم جوشی سے حصہ لیا۔ لاہور اور اس کے گردونواح کے علاقے اس موقع پر رقص وسرود کے بے ہنگم شور اور ہوائی فائرنگ کی خوفناک آوازوں سے گونجتے رہے۔ اس ہندوانہ تہوار میں شرکت کے لیے بھارت سے کئی فلمی اداکار اور اداکارائیں بھی لاہور پہنچ چکے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق لاہور کے لاکھوں باشندوں کے علاوہ کئی لاکھ افراد نے ملک کے مختلف شہروں سے آکر اس میلے میں شرکت کی جس کے باعث ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کے کرائے تین گنا بڑھ گئے۔ سرد ہواؤں اور بارش کے باوجود بسنت میلے کے شائقین کا جوش وخروش برقرار رہا اور شراب کے جام بھی بھر کر لنڈھائے گئے۔ ایک اطلاع کے مطابق بسنت میلے کے لیے لاہور میں شراب کے پرمٹ ہولڈروں کو ایک ماہ کا کوٹہ فراہم کیا گیا تھا جسے بسنت کے بدمست تماشائیوں نے صرف دو دن میں نمٹا دیا جس کے باعث تمام چھوٹے بڑے ہوٹلوں میں شراب نایاب ہوگئی۔ شراب کے ایجنٹوں نے اصل قیمت کے علاوہ فی بوتل 500 سے 1000 روپے تک زیادہ پیسے وصول کیے۔ ہفتے کی شام ہوٹلوں کے باہر خواتین کی بڑی تعداد بھی شراب خریدنے کے لیے قطاروں میں نظر آئی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق بسنت کی رنگ رلیوں میں کم از کم 13 ارب روپے پھونک دیے گئے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بسنت کی تقریبات کو عوام کے لیے زیادہ سے زیادہ پرکشش بنانے میں اربوں روپے کا نفع کمایا۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں بسنت ڈے اور نائٹ کے لیے نجی رہائش گاہوں اور ہوٹلوں کی 1350 چھتیں بک کرا چکی تھیں۔ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب اور اتوار کے دن 10 بجے سے رات گئے تک لاکھوں افراد معاوضہ ادا کر کے ان چھتوں پر چڑھ کر پتنگ بازی کرتے رہے۔ واپڈا اور ضلعی انتظامیہ کی جانب سے ممانعت کے باوجود دھاتی تار کا بے دریغ استعمال کیا گیا جس سے شہر کی بجلی بار بار معطل ہوتی رہی۔ پتنگیں لوٹنے والے ہوش وحواس سے بے گانہ ہو کر بھری پری سڑکوں اور خطرناک حد تک بلند چھتوں پر پتنگوں کے پیچھے لپکتے رہے۔ جس سے 20 افراد ہلاک اور سیکڑوں زخمی ہو گئے جن میں سے درجنوں افراد کی ٹانگیں اور بازو ٹوٹ گئے ہیں۔ زخمیوں میں سے 7 افراد نے جنرل ہسپتال میں جا کر دم توڑ دیا۔ مرنے والوں میں سے 7 افراد صرف سر میں شدید چوٹیں لگنے سے ہلاک ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں پنجاب کے کئی دیگر شہروں میں بھی بسنت کی تقریبات منائی گئیں، گوجرانوالہ اور فیصل آباد میں بھی مختلف واقعات میں بسنت کے میلے نے کم از کم 6 افراد کی جان لے لی۔

لاہور میں بسنت میلے کے دوران دفعہ 144 کی سر عام خلاف ورزی ہوتی رہی۔ اس دوران پولیس، میلے میں آئی ہوئی وی آئی پی شخصیات کی حفاظت کو یقینی بنانے میں مصروف رہی۔ پتنگ بازی سے شہر بھر میں بجلی کی فراہمی میں سخت خلل پڑا۔ ایک اطلاع کے مطابق صرف بسنت نائٹ کے 12 گھنٹوں کے دوران تین ہزار مرتبہ ٹرپنگ ہوئی جس کے باعث واپڈا کو 15 کروڑ روپے کا نقصان ہوا۔ بسنت کی تقریبات ایک خونی بلا کی طرح ہر سال اہلِ پاکستان پر مسلط ہو جاتی ہیں اور بے پناہ مالی نقصانات کے علاوہ درجنوں افراد کی ہلاکت اور سیکڑوں افراد کے زخمی اور معذور ہونے کا سبب بنتی ہیں، اسے دیکھتے ہوئے ہر ذی شعور انسان ہکا بکا رہ جاتا ہے۔

ملک کا سنجیدہ وفہمیدہ طبقہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ حکومت متعدد انسانی جانوں کے اتلاف کا یقینی سبب بننے والی اس بے ہودہ رسم پر پابندی نہیں لگاتی؟ نیز ہم ان سطور میں سالہا سال سے یہ حقیقت بھی واشگاف الفاظ میں بیان کرتے چلے آرہے ہیں کہ بسنت نہ صرف یہ کہ ایک خونی تہوار ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے ایک بدطینت ہندو کی یاد میں منائی جانے والی ایمان کش رسم ہے۔ ضربِ مومن کے رنگین صفحات میں ہر سال اس بارے میں تحقیقی

مضامین شائع ہوتے آرہے ہیں جن میں نا قابل تردید دلائل سے اس افسوسناک حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے اور ملک بھر کے غیر جانبدار، متدین، حقیقت پسند اور ذی شعور طبقے نے نہ صرف اس سے اتفاق کیا ہے بلکہ وہ بھی اپنی بساط کے مطابق ہماری آواز میں آواز ملاتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ بسنت جیسے غیر اسلامی تہوار کی پاکستان کی تہذیب وثقافت میں کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

ہم حکومتِ وقت کو زیادہ واضح الفاظ میں یہ باور کرا دینا چاہتے ہیں کہ بسنت کو ہولی یا دیوالی جیسے عام ہندوانہ تہواروں پر محمول نہ کیا جائے جو ہندوؤں کی ثقافت اور مذہب کا حصہ ہیں۔ بسنت کا تہوار صرف ہندوانہ اور غیر اسلامی ہونے کے باعث قابلِ نفرت نہیں بلکہ ایک گستاخِ رسول کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی یادگار کے طور پر یہ ایک قاتلِ ایمان اور اسلام کش تہوار بن چکا ہے جسے منانا درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے زمرے میں آتا ہے جس کا کوئی مسلمان تصور تک نہیں کر سکتا۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ لاکھوں مسلمان جہالت اور نفس پرستی کے باعث اسے ''جشنِ بہار'' کا عنوان دے کر اپنی مذہبی تقریبات سے زیادہ بڑھ چڑھ کر مناتے ہیں۔

اس موقع پر انسانی جانوں کا جس بے دردی سے اتلاف ہوتا ہے وہ ایک مستقل موضوع ہے اور ملک کے تمام اخبارات وجرائد اس بارے میں جو اعداد وشمار شائع کر چکے ہیں وہ حکومت کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ علاوہ ازیں ایک مقروض اور غریب ملک کے عوام کا اس موقع پر اربوں روپے اُڑا دینا بھی ہماری معاشرتی بے حسی اور عقل وفہم کے انحطاط کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ ہماری نظر میں اگر جشنِ بسنت سے کسی نے فائدہ اُٹھایا ہے تو وہ ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں جو اس موقع پر اہلِ پاکستان کی دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹتی ہیں جبکہ ہمارے حصے میں تڑپتے لاشوں اور بلکتے ہوئے زخمیوں کے سوا کچھ نہیں آتا۔

اس وقت مملکتِ خداداد پاکستان اپنی تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ہمارے دوست نما دشمن ہم پر دانت تیز کیے بیٹھے ہیں۔ حکومت عاقبت نا اندیشی کے باعث سرحدی علاقوں بالخصوص بلوچستان میں بغاوت کی چنگاریاں سلگا رہی ہے، مسئلہ کشمیر ہمارے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور شمالی پنجاب اور سرحد میں طوفانی بارشیں اور برفباری قہر الٰہی کا نقارہ بجا رہی ہیں۔

ایسے حالات میں صدرِ مملکت اور وفاقی وزرا سمیت تمام اعلیٰ عہدیداروں کا بےفکری سے بسنت مناتے رہنا یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ بھنور میں پھنسی ہوئی ناؤ کے ملاح اسے پار لگانے کی انتھک سعی کی بجائے خوابِ غفلت میں مدہوش رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

صدر مملکت اور وزیر اعظم عوام سے عمومی خوشحالی، مکمل امن وامان، مثالی تعمیر وترقی اور جان ومال کے یقینی تحفظ کے وعدے ایک تسلسل سے کیے جا رہے ہیں۔ وہ عوام کو سادگی، بچت اور ملک کو ایک فلاحی مملکت بنانے کی ''جہد مسلسل'' میں ساتھ دینے کی نصیحت بھی کرتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات وہ غیر معمولی طور پر ایمانی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے ایک پکا اور سچا مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کر جاتے ہیں مگر کیا وہ بتا سکیں گے کہ بسنت میلے میں یک لخت 13 ارب روپے اُڑا دینے سے ایک مقروض قوم خوشحالی کی کون سی منزل کی طرف جا رہی ہے؟ کھلے عام شراب پی کر بدمستیاں کرنے والے روشن مستقبل کی تعمیر کا کون سا سبق سیکھ رہے ہیں؟ کیا وہ اس امر کی وضاحت کر سکیں گے کہ ایسی تقریبات میں خود ان کی شرکت اور سرپرستی کے بعد عوام کے جذبۂ بے راہ روی کو کس طرح لگام دی جا سکتی ہے؟ ان کی موجودگی میں 20 جانوں کے ضیاع اور سیکڑوں افراد کے زخمی ومعذور ہونے کے بعد بھی عوام کی جان ومال کی حفاظت کا وعدہ کس طرح برقرار رہ سکتا ہے...... اور آخری سوال جو سب سے زیادہ کٹھن ہے اور دردمندانِ قوم کے ذہنوں میں کھلبلی مچا رہا ہے یہ ہے کہ ایک گستاخِ رسول کو خراجِ تحسین پیش کرنے اور فحاشی وبے حیائی کے شرمناک مظاہر پر مبنی اس ہندوانہ تہوار کی سرپرستی کر کے بھی وہ ایک سچے اور پکے مسلمان کی حیثیت کس طرح بحال رکھ سکتے ہیں۔ کیا حکمرانوں کی اسلام مخالف روش مملکتِ خداداد کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے نہ رکھ دے گی اس سے پہلے کہ عوام وحکام کی یہ بے حسی نظریاتی بنیادوں کے ساتھ ساتھ ملک کے جغرافیائی تشخص کو بھی پارہ پارہ کر ڈالے ہمیں ہوش میں آ جانا چاہیے۔ صدرِ مملکت، وزیر اعظم اور مملکت کے اعلیٰ عہدیداروں کو نہ صرف مسلمان ہونے کے ناطے ایسی قابلِ نفرت تقاریب کی سرپرستی ترک کر دینا چاہیے بلکہ ان پر لازم ہے کہ عوام کی مذہبی واخلاقی اقدار کی حفاظت کی ذمہ داری کا پاس کرتے ہوئے ''بسنت'' اور اس قسم کے تمام تہواروں پر پابندی لگا دیں۔ یہ پاکستان کے کروڑوں محبِ اسلام باشندوں کے دل کی آواز ہے۔

مراسلے

(1)

بسنت ہندوانہ تہوار ہے: تین دلیلیں

محترم جناب مفتی ابولبابہ صاحب

السلام علیکم

میں تقریباً گزشتہ ڈیڑھ سال سے ''ضرب مؤمن'' کا قاری ہوں اور فہمِ دین کورس میں بھی شریک ہوں۔ آپ نے اپنے گزشتہ مضمون میں ''بسنت'' کے بارے میں قارئین سے بھی معلومات طلب فرمائی ہیں، بندہ نے بھی اس موضوع پر کچھ تحقیق کی کوشش کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ آپ جیسے عالمِ دین کی مفصل و مدلل تحقیق کے قریب بھی نہیں پھٹکتی، بندہ کی حقیر سی کوشش پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر 1): آپ نے اپنے پچھلے مضمون میں ذکر کیا ہے کہ اس تہوار کا تعلق ہندو مذہب کی ایک دیوی سرسوتی سے بھی ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آج کے لوگوں کو ہر چیز کا ریفرنس چاہیے ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے آپ کی معلومات کا ایک اور ریفرنس ملاحظہ ہو:

''امریکن میوزیم آف نیچرل ہسٹری کی آفیشل ویب سائٹ پر ''میٹنگ گاڈ'' کے کالم میں لکھا ہے: سرسوتی (علم) آرٹس، ڈانس اور میوزک کی دیوی) کو شمالی بھارت میں پوجا جاتا ہے، بسنت پنچمی کے تہوار پر۔ یہ تہوار ہندو مہینے مگھ (جنوری/فروری) میں ہوتا ہے اور خاندان اپنی اپنی پوجا کرتے ہیں سرسوتی کی بسنت پنچمی کے دن۔''

اب اس تہوار کے ہندوانہ ہونے کی گواہی ایک ہندو اخبار کے ہندو کالم نگار سے بھی ملاحظہ ہو:

دلیل نمبر 2): مشہور ہندو اخبار ''دی ہندو'' کا کالم نگار ''ھی رامن ہور ریڈی'' اسی اخبار میں لکھتا ہے: ''آپ کبھی یہ بات ذہن میں نہ لاسکیں گے کہ لاہور میں ایک پبلک میلہ بسنت کے

نام سے منایا جاتا ہے۔ پاکستان میں منائے جانے والا پبلک ہالی ڈے ایک ہندو نام کے ساتھ ایک ایسا تہوار ہے جو اسی دن منایا جاتا ہے جس دن بھارت میں ''بسنت پنچمی'' منایا جاتا ہے۔''

دلیل نمبر 3): بھارت کا ایک مشہور اخبار ''دی چندی گڑھ ٹرائی بیون'' بھارت کے ایک اسکول سے منسوب خبر شائع کرتا ہے ''طلبہ اپنے ساتھ میٹھے چاول لائے جو پیلے رنگ کے تھے اور بسنت تہوار سے ان کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اسکول کا اسٹاف پیلے رنگ کے کپڑے پہنتا تھا۔''

امید ہے کہ آپ بندہ کی اس ادنیٰ سی کوشش کو پسند کریں گے اور بارگاہِ الٰہی میں اس کی قبولیت کے لیے دعا کریں گے اور ساتھ ہی بندہ کے گناہوں سے حفاظت کے لیے بھی۔

از راہ کرم میرا نام پوشیدہ رہنے دیجیے۔ (م۔ ع۔ ا)

الجواب:

آپ نے جو معلومات بھیجی ہیں وہ مفید ہیں اس طرح بسنت کے خلاف مہم کی کامیابی کے لیے اگر کوئی مفید تجویز ہو تو آگاہ فرمائیں تاکہ یہ کبیرہ گناہ ہمارے معاشرے سے ناپید ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش قبول فرمائے اور اپنی محبت و معرفت نصیب فرمائے۔

(2)

ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟

محترم مدیر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ اسی ہفتے کی اشاعت میں کسی دوست نے بسنت کے بارے میں آپ لوگوں سے سوال پوچھا تھا لہٰذا میں اس کا جواب ارسال کر رہا ہوں، اسے اگلے ہفتے کی اشاعت میں تمام مسلمانوں کے لیے ضرور شائع کیجیے۔شکریہ!

بسنت کا تہوار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والے ہندو ملعون (حقیقت رائے باکھ مال پوری) کی یاد میں منایا جاتا ہے۔غیور مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ یہ تہوار ہندوؤں کا ہے جو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علی وسلم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے والے کی یاد میں ہندو مناتے ہیں۔اس بات کا شاید اہلِ پنجاب کو بھی علم نہ ہو۔ایک بہت ہی قابل سکھ مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی انگریزی کتاب ''پنجاب آخری مغل دور حکومت میں'' ذکر کیا ہے کہ زکریا خان (1759ء-1707ء) میں پنجاب کا گورنر تھا۔ڈاکٹر نجار اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حقیقت رائے باکھ مال پوری سیالکوٹ کے کھتری کا لڑکا تھا۔حقیقت رائے نے دو جہاں کے سردار رحمۃ اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لیے لاہور بھیجا گیا۔اس واقعہ سے پنجاب کی غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔

حقیقت رائے کی یادگار کوٹ خواجہ سعید کھوجے شاہی لاہور میں ہے۔اب یہ جگہ باوے دی مڑہی کے نام سے مشہور ہے، جہاں ہندو رئیس ''کالو رام'' نے بسنت میلے کا آغاز کیا۔اگر کسی کو

لاہور جانے کا اتفاق ہوتو 60 نمبر ویگن کا آخری اسٹاپ بھی یہی ہے۔''پنجاب آخری مغل دور حکومت میں''صفحہ 279 پرلکھا گیا ہے کہ پنجاب کا بسنت میلہ اسی حقیقت رائے گستاخ رسول کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ یہ مضمون پڑھنے کے بعدکوئی بھی باضمیر مسلمان یہ تہوار منانے کی کوشش نہیں کرے گا کیونکہ ہم سب نے بھی مرنا ہےاور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنا ہے۔ہم مسلمان ہیں قیامت کے دن ہم سے اگراس فعل کے بارے میں باز پرس کی جائے کہ اے لوگو!تم وہی ہو جوحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کے مرتکب شخص کی یاد مناتے رہےتو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ اللہ ہم پر رحم کردے ورنہ بہت مشکل ہے۔آمین

(3)

مغربی اور ہندو کلچر کے آثار

دین اسلام محض روایتی مذہب نہیں بلکہ مکمل اور جامع نظامِ زندگی ہے جہاں ہمیں اس بات کا احساس ہے وہیں پر اعتراف بھی کرنا پڑے گا کہ ہم بحیثیت امت مسلمہ اپنی شناخت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اچھائی و برائی کی تمیز مٹ چکی ہے اور یہ بھی بھلا بیٹھے ہیں کہ مسلم معاشرے کا امتیازی وصف کون سا ہے۔ ہمارے اردگرد برائیوں کا نہ ختم ہونے والا طوفان برپا ہے اور ہم اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے قطعی عاری ہو چکے ہیں۔ میڈیا سیکولر تہذیب کا پرچار کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کے تمام اصول وطریقے بتا دیے، خوشیاں منانے کے دو تہوار بھی عطا کیے اور انہیں منانے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ ہمارے تمام معاملات میں مغربی و ہندوانہ کلچر کا گہرا اثر ہے اسی طرح ہمارے تہواروں میں بھی ان کے تہوار شامل ہو چکے ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کا رنگ تمام شہروں میں نظر آنے لگا ہے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ یہ دن منانے کے لیے تمام طور طریقوں میں طبقاتی تقسیم بھی کر دی گئی۔ بہار کی آمد کے ساتھ بسنت میلہ کی تیاری بڑے تہوار کے طریقے سے کی جاتی ہے جب کہ ہماری اکثریت بھی ناواقف ہے کہ یہ میلہ کیوں منایا جاتا ہے؟ ایک ایسی قوم جس کی 80 فیصد آبادی خطِ غربت کی زندگی گزار رہی ہے وہاں پتنگ، ڈور وغیرہ پر لاکھوں و کروڑوں روپے پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے۔ اسلحہ کا بے دریغ استعمال پتنگ بازی میں سبقت لے جانے کی کوشش میں اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتے، کبھی ایسا نہیں ہوا ہو گا کہ بسنت کے اگلے دن جانی نقصان کی اطلاع نہ ملی ہو، یہی حال ویلنٹائن ڈے کا ہے۔ ان تہواروں کی حقیقت جو بھی ہو ہمیں بحیثیت امت مسلمہ

ان کی بیخ کنی کرنی چاہیے۔اخبارات کے ذریعے ان بے ہودہ رسوم کی تشہیر تمام چیزوں سے بڑھ کر ان تہواروں کو اہم قرار دینا کس بات کا مظہر ہے؟ ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہے۔ہم اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے دعویدار ہوتے ہوئے یہ دن کیونکر مناتے ہیں؟ کبھی سوچا ہے ہم لوگوں نے بھی؟

نظمیں

یہ جشن نو بہار ہے یا.........؟

محمد جنید فرمان۔ کراچی

کفار مسلمین سے مشغولِ جنگ ہیں
اور مسلمین خیر سے محوِ پتنگ ہیں

واں ایٹمی پلانٹ میزائلوں کی دھن
یاں بربط ورباب ہیں، مضراب وچنگ ہیں

امت کا غم تو خاک ہو ،خود اپنا غم نہیں
خوش مستیوں میں مست ہیں، محوِ ترنگ ہیں

دوقومی نظریے کا جنازہ نکل گیا
ہم فکر ہم خیال سبھی سنگ سنگ ہیں

ہے پیروی ہنود کی لاشہ بسنت کا
ارواح مردہ ،مردہ جسد رنگ رنگ ہیں

حاصل ہے سرپرستی شاہانِ وقت بھی
اس کاروبارِ ننگ میں سرکار سنگ ہیں

یہ جشنِ نو بہار ہے یاراہِ خارزار
عقلیں بھی اب تو اہلِ بصیرت کی دنگ ہیں

ڈھایا ہے بے جا وسعتِ نظری نے قصرِ دین
جب ہی تو آسماں وزمیں ہم پہ تنگ ہیں

طوفانی بارشیں ہیں ،بگولے ہیں، موت ہے
عبرت کدے ہوں لاکھ ،دلوں پر جوزنگ ہیں

کرتے ہیں رنگ رلیوں میں خوفِ خدا کی بات
حاصلؔ خود آپ اپنے رنگ میں گویا کہ بھنگ ہیں

عجب تماشا

آثر جون پوری

لہو وہ کشمیر میں مسلسل بہارہا ہے
مگر مسلماں بسنت میلا لگارہا ہے
ہیں محوِ رشک اب ہنود بھی اس کے اس عمل پر
وہ ہندو تہوار اس ادا سے منارہا ہے
جو کل تلک تھا تمام قوموں میں سب سے ممتاز
وہ آج خود ہی شناخت اپنی مٹارہا ہے
ادھر وہ دو قومی نظریے کی اٹھائے میت
ادھر وہ کشمیر ڈے بھی دن کو منارہا ہے
وہ جس کو انمول ہیرا کہتے تھے جوہری بھی
لگا کے قیمت خود اپنی قیمت گرارہا ہے
وہ جس کی پشتیں بھی غیر اقوام کی ہیں مقروض
پتنگ اربوں روپے کی دیکھو اڑارہا ہے
وہ جس کے غم میں مرے نبی نے بہائے آنسو
خوشی خوشی وہ متاعِ ایماں لٹارہا ہے
رواں رواں ہے وہ اب تو عہد جدید کے سنگ
کہ رفتہ رفتہ روایتوں کو مٹارہا ہے
میں پاس موجود اپنی ملت پہ نوحہ خواں ہوں
وہ دور بیٹھا ہے زیر لب مسکرارہا ہے

یہ رنگ کی تو نہیں ہے لیکن ہے خوں کی ہولی
کہ ایک شب میں وہ بیس لاشیں اٹھارہا ہے

دکھارہاہے عجب تماشا بسنت لاشہ
کہ عقل والوں کو رشکِ مجنوں بنارہا ہے

وہ کررہے ہیں ثقافتوں کی چتائیں روشن
اثر تو بے سود اپنے دل کو جلارہا ہے

کتابیات

تاریخی کتب:

(1) کتاب الہند؟ ابوریحان البیرونی۔ترجمہ: اصغر علی، الفیصل، اردو بازار، لاہور

(2) لاہور گائیڈ، مرتبہ بزم اردو لاہور، رفاہ عام پریس لاہور، طبع 1909ء

(3) تاریخ لاہور، سید محمد لطیف، تخلیقات، لاہور

(4) تاریخ لاہور، کنہیالال، سنگِ میل پبلی کیشنز اردو بازار، لاہور

(5) تحقیقات چشتی، نور احمد چشتی، الفیصل، اردو بازار، لاہور

(6) ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر..............................

(7) پنجاب: تمدنی ومعاشرتی جائزہ، ڈاکٹر انجم رحمانی، الفیصل، اردو بازار، لاہور

(8) فرہنگ آصفیہ، مولوی سید احمد دہلوی، اردو سائنس بورڈ، لاہور

(9) بسنت، لاہور کا ثقافتی تہوار، نذیر احمد چوہدری، سنگِ میل پبلی کیشنز اردو بازار، لاہور

(10) سوہنا شہر لاہور، طاہر لاہوری، سنگِ میل پبلی کیشنز اردو بازار، لاہور

(11) یادگارِ چشتی، نور احمد چشتی، الفیصل، اردو بازار، لاہور

(12) مغل شہنشاہوں کے شب وروز، سید صباح الدین، نگارشات، ٹمپل روڈ، لاہور

(13) لاہور جب جوان تھا، پران نوائل، مترجم: نعیم احسن، نگارشات، مزنگ روڈ، لاہور

(14) کلیاتِ نظیر، نظیر اکبرآبادی، مکتبۂ شعروادب، سمن آباد، لاہور

(15) Punjab Under the Later Mughals, Dr. Bakshish Singh Najjar, Book Traders, Lahore

ہندوؤں کی تاریخی کتب:

(1) ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت، منشی رام پرشاد ماتھر، خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ

(2) ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت، منشی رام پرشاد ماتھر، خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ

(3) ہندن جا ملیہ ڈن، وتھجراج سیڈل، کوٹری: ضلع دادو، سندھ

دیگر مفید مطبوعات

کتاب	مصنف	کتاب	مصنف
آداب فتوی نویسی	مفتی ابولبابہ صاحب	سرچنگ پوائنٹ	مفتی ابولبابہ صاحب
تحریر کیسے سکیں؟	مفتی ابولبابہ صاحب	اقصی کے آنسو	مفتی ابولبابہ صاحب
تربیت اولاد اور اسلام	مفتی ابولبابہ صاحب	امت مسلمہ کے نام	مفتی ابولبابہ صاحب
شرح عقود رسم المفتی	مفتی ابولبابہ صاحب	عالم اسلام پر امریکی یلغار کیوں؟	مفتی ابولبابہ صاحب
رہنمائے خطابت	مفتی ابولبابہ صاحب	فارسی کا آسان قاعدہ	مفتی ابولبابہ صاحب
تسہیل سراجی	مفتی ابولبابہ صاحب	تفہیم الفلکیات	مولانا شہباز صاحب
الاملاء والترقیم	مفتی ابولبابہ صاحب	نقوش سیرت	مولانا شہباز صاحب
بولتے نقشے	مفتی ابولبابہ صاحب	تہذیب طحاوی	مولانا شمس الحق صاحب
ہسپانیہ سے امریکہ تک	مفتی ابولبابہ صاحب	لکھنا سیکھیے...!	مولانا شمس الحق صاحب
دجال کون ہے	مفتی ابولبابہ صاحب	جدید اسلامی معیشت	مولانا شمس الحق صاحب
عالمی یہودی تنظیمیں	مفتی ابولبابہ صاحب	درس تلویح	مولانا شبیر احمد صاحب
عظمتوں کی کہانی	مفتی ابولبابہ صاحب	قال بعض الناس	مولانا باقی باللہ صاحب

0322-2111134

عکسی حوالہ جات

عکسی حوالہ جات

تاریخی کتب:

حوالہ 1: کتاب الہند

حوالہ 2: لاہور گائیڈ

حوالہ 3: تاریخ لاہور

حوالہ 4: تاریخ لاہور

حوالہ 5: تحقیقات چشتی

حوالہ 6: ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر

حوالہ 7: پنجاب: تمدنی و معاشری جائزہ

حوالہ 8: فرہنگ آصفیہ

حوالہ 9: یادگارِ چشتی

حوالہ 10: بسنت

حوالہ 11: مغل شہنشاہوں کے شب و روز

حوالہ 12: سوہنا شہر لاہور

حوالہ 13: لاہور جب جوان تھا

حوالہ 14: کلیاتِ نظیر

حوالہ 15 Pujab Under the Later Mughals

ہندوؤں کی تاریخی کتب:

حوالہ 16: ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت

حوالہ 17: ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت

حوالہ 18: ہندن جا مکیہ ڈن

حوالہ 19: خبروں کے عکس

حوالہ نمبر:1

ترجمہ

نظرثانی

سیّد عطا حسین ایم اے

۲۳۸

دن سب واپس آتے ہیں۔

عید بسنت | اسی مہینے میں استوار ہبتی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے۔
حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے اور برہمنوں
کو کھلاتے ہیں

جیٹھ کے پہلے دن جو اجتماع (یعنی اماوس) کا دن ہے عید کرتے
اور نیا غلہ تبرکاً پانی میں ڈالتے ہیں۔

پہلی جیٹھ عورتوں کی عید | جیٹھ کے استقبال (یعنی پورے چاند) کا دن
جیٹھ کے پورے چاند کا دن عورتوں کی عید | عورتوں کی عید ہے جس کا نام
روپ پنچہ ہے۔

اساڑھ کو پورا مہینہ صدقے کا ہے | اساڑھ کا پورا مہینہ صدقے کا ہے۔
اس کا نام اہاری ہے۔ اس مہینے میں برتن بدل کرتے کرائے جاتے ہیں

ساون کے پورے چاند کا دن برہمنوں کے کھلانے کا دن ہے | ساون کے استقبال کے دن برہمنوں کو
کھلانے کا انتظام کیا جاتا ہے

آٹھویں آسن | آسن کا آٹھواں دن جب چاند اپنی انیسویں منزل مول
میں ہوتا ہے، گنا چوسنے کا ابتدائی دن ہے۔ یہ عید باسدیو کی بہن
مہالکھی (مہانومی) کے نام کی ہے۔ گنا وغیرہ کی ہر پہلی پیداوار کو
اس کے بت پر جس کا نام بھگوتی ہے چڑھاتے ہیں اور اس کے قریب
کثرت سے صدقہ کرتے اور بکریاں مارتے ہیں جس کے پاس کچھ نہیں
ہے، اس کے سامنے کھڑا رہتا ہے اور بیٹھتا نہیں اور کبھی جس کو پاتا

۱؎ بیرونی کی کتاب کی عبارت یہ ہے " دربافتل من کتی " اس کا مطلب
صاف طور سے معلوم نہیں ہوا ح ح

حوالہ نمبر:2

RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED

نمبر ۸

جس میں لاہور کے علاوہ

مرتبہ

بزم اردو لاہور

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپی

۶۱
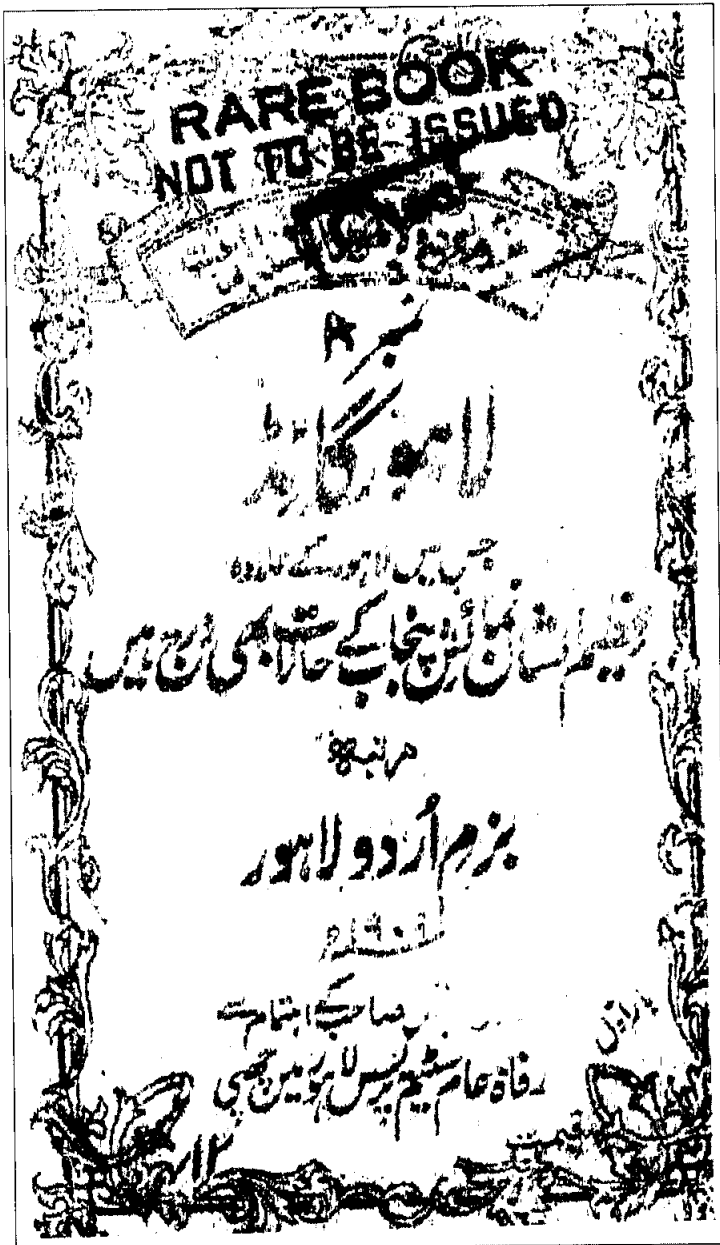
سمادھ حقیقت رائے

جائے وقوع ۔ لاہور سے دو میل کے فاصلہ پر
مشرق کی طرف ۔ کوٹ خواجہ سعید کے پاس ۔

حقیقت رائے نواب زکریا خاں صوبہ دار لاہور کے زمانہ میں ایک سترہ سالہ نوجوان تھا ۔ اور ایک مکتب میں فارسی پڑھا کرتا تھا استاد کی عدم موجودگی میں ایک ہم عمر مسلمان لڑکے سے کسی بات پر تکرار ہو پڑی ۔ اور حقیقت رائے نے اس مسلمان لڑکے کو رنج دینے کی نیت سے اہل بیت سرور کائنات (صلعم) کی شان میں گستاخی کی ۔ استاد کے آنے پر تمام لڑکوں نے ملکر اس غمناک واقعہ کی رپورٹ کی ۔ اور استاد نے غصہ میں قاضی شہر کے پاس حقیقت رائے کا چالان کر دیا ۔ ایسے گستاخ مجرموں کی سزا مسلمانوں کے قانون فوجداری میں چونکہ موت قرار دی گئی ہے ۔ ثبوت بہم پہنچ جانے پر قاضی نے حقیقت رائے کو بھی موت ہی کا حکم سنایا ۔ اور فیصلہ منظوری کے لئے حاکم اعلےٰ کے اجلاس میں بھیجدیا ۔ حاکم اعلےٰ یعنی نواب زکریا خان نے ملزم کی نوجوانی پر رحم کھا کر اسے رہائی کی آخری تدبیر بتلائی اور اس سے اس طرح نیک چلنی کی ضمانت طلب کی ۔ کہ اگر وہ موجودہ جرم سے توبہ کرکے

۹۲

آتش دہ کے لئے مشرف بہ اسلام ہو جاتے تو رہا کر دیا جاتے
مگر اس دھرم کے شیر نے ایسی ضمانت دینے سے انکار کیا
اور اپنے دھرم پر قربان ہو کر ہمیشہ کے لئے نام کر گیا جس جگہ
اس شہید ملت کی لاش جلائی گئی تھی۔ اسی جگہ یہ سمادھ بنی
ہوئی ہے۔ اور اب تک ہزاروں ہندو مرد عورت عقیدت سے
دلی سے جاکر اس کی جبہ سائی کرتے ہیں۔ اور بسنت کا میلہ
بھی ہر سال اسی سمادھ پر مناتے ہیں +

چوبارہ چھجو بھگت

جائے وقوع۔ ریلوے روڈ پر۔ چوک میں
چھجو شاہجہان کے عہد میں قوم بھاٹیہ سے ایک خدا رسیدہ
بھگت تھے۔ صرافی کی دکان کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت میاں میرؒ
شاہ بلاولؒ اور میاں وڈا صاحب کے فیضِ صحبت سے کچھ
ایسی خدا کی لو لگی کہ دنیا کے دلی کو لات مار کر اپنے چوبارہ میں
گوشہ نشین ہو گئے۔ اور خدا کی یاد میں دن گزارنے لگے۔
چوبارہ میں ایک چھوٹا زینہ لگا رکھا تھا جو ہر وقت زمین سے
اٹھا رہتا تھا۔ تاکہ عوام الناس عبادت الٰہی میں مخل نہ ہوں
تمام عمر اس مرد خدا نے اس طرح بسر کی اور آخر ۱۰۵۲ھ ہجری

حوالہ نمبر: 3

تاریخِ لاہور

سید محمد لطیف

اکرم آرکیڈ، ۲۹۔بی ٹیمپل روڈ (اسفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون ۷۲۳۸۰۱۳

324

مقبرے پر جاری ہے۔

سمادھ بھائی وستی رام :۔ یہ سمادھ قلعہ کی شمالی دیوار کے قریب واقع ہے۔ بھائی وستی رام، مہاراجہ رنجیت سنگھ کا روحانی پیشوا تھا۔ یہ سمادھ فن تعمیر کا ایک انتہائی خوبصورت و یادگار نمونہ ہے۔ اس سے ملحقہ بیشمار ایوان اور کمرے بالکل صحیح اور عمدہ حالت میں ہیں۔

سمادھ حقیقت رائے :۔ یہ لاہور سے دو میل کے فاصلے پر مشرقی جانب موضع کوٹ خواجہ سعید کے مشرق میں واقع ہے۔ حقیقت رائے سترہ سال کی عمر کا ایک ہندو لڑکا تھا۔ وہ حاکم لاہور نواب خان بہادر کے دور میں ایک مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ اس کا مسلمان لڑکوں سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے ان لڑکوں کی طرف سے دیوتاؤں کے لیے ناشائستہ زبان استعمال کرنے کے رد عمل کے طور پر جواباً اسی قسم کے کلمات کہہ ڈالے۔ اس کو قاضی کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے پیغمبر کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال کرنے پر اس کو سزائے موت سنا دی۔ یہ معاملہ حاکم لاہور کے سامنے پیش ہوا تاہم اس نے قاضی کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر یہ لڑکا اسلام قبول کر لے تو اس کی سزا معاف ہو سکتی ہے۔ حقیقت رائے اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر خلوص دل سے کاربند تھا۔ اس نے دین اسلام کی دعوت کو رد کر دیا اور پھانسی چڑھ گیا۔ ہندو اس کے مقبرے کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں اور کثیر تعداد میں جا کر اس کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اس سمادھ پر بسنت یا بہار کا سالانہ میلہ منعقد ہوتا ہے۔

سمادھ مہاراجہ شیر سنگھ :۔ یہ سمادھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تعمیر کردہ بارہ دری شاہ بلاول (114)، کے مغرب میں واقع ہے۔ اس سے کسی قسم کی تعمیراتی تصنع یا بناوٹ کا اظہار نہیں ہوتا۔ یہ پختہ اینٹوں کی ایک سادہ سی سمادھ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھیانوالیہ سرداروں کے ہاتھوں شیر سنگھ کے قتل کے بعد اس وقت باقاعدہ طور پر کوئی حکومت موجود نہیں تھی اور جو لوگ عظیم مہاراجہ کے مشہور و معروف بیٹے کے شایان شان اس کی یادگار تعمیر کرنے میں دلچسپی لیتے تھے، ان کو اپنے ارد گرد پھیلی سازشوں سے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ لہذا وہ عمارات کی تعمیر کے بارے میں سوچ نہیں سکتے تھے۔ یہ جگہ اس لیے بھی تاریخی لحاظ سے دلچسپی کی حامل ہے کہ یہ جگہ المیہ کا مقام ہونے کے باعث کچھ لوگوں کی وجہ سے ایشیائی تاریخ کے اوراق میں سب سے سبقت لے گئی ہے اور اس کے بعد آنے والی خونریزیوں، سازشوں اور ہنگامہ آرائیوں نے پنجاب میں رنجیت سنگھ کی سوجھ بوجھ کے تحت قائم کردہ طاقتور حکومت کو اتنی تیزی سے ختم کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ شیر سنگھ کی سمادھ کے گنبد کی غربی جانب اس کی بیوی رند ھاوی کی سمادھ ہے۔ اس سمادھ کے دروازے پر

حوالہ نمبر:4

تاریخِ لاہور

کنہیا لال

سنگِ میل پبلی کیشنز، چوک اُردو بازار، لاہور

۲۱۱

مکان سماده حقیقت رائے

حقیقت رائے نواب زکریا خان بہادر صوبہ لاہور کے وقت ایک لڑکا ستوبرس کا تھا اور ایک مسلمان مکتب دار ملا کے مکتب مین فارسی پڑھتا تھا ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ اُستاد کسی کام کو باہر گیا اور لڑکے مکتب کے آپس مین لڑنے لگے ایک مسلمان لڑکے نے دیوی کے حق مین کوئی ناشائستہ کلمہ کہا حقیقت رائے کو وہ بات ناگوار گزری اور اُس نے پیغمبر صاحب کی لڑکی کی نسبت کوئی ایسا لفظ کہہ دیا جو کمال بے ادبی پر دلالت کرتا تھا جب اُستاد آیا تو مسلمان لڑکون نے اُستاد کے روبرو سب حال بیان کیا وہ سختے ہی غصہ کے مارے لال ہوگیا اور حقیقت رائے کو پکڑ کر قاضی شہر کے روبرو لیگیا قاضی نے حسب بہ تقریر سنی حقیقت رائے کے حق مین قتل کا فتویٰ لکھا اور منظوری کے لئے صوبہ لاہور کے پاس بھیجدیا نواب زکریا خان بہادر نے حقیقت رائے کو روبرو بلایا اور حکم دیا کہ تو نے کمال بے ادبی اہل بیت کے حق مین کی بیشک اجب القتل ہے مگر اگر تو مسلمان ہوجائے تو تیری جان بچ سکتی ہے ورنہ گردن مارا جائیگا حقیقت رائے نے مسلمان ہونے سے انکار کیا اور جان شیرین اپنے ملت و مذہب پر قربان کردی یعنی گردن مارا گیا نعش اُسکی اس مقام پر جلائی گئی جہان اب سمادہ بنی ہوئی ہے - یہ سمادہ بجانب شرق موضع کوٹ خوجہ سعید کے لاہور سے بفاصلہ دو میل شرق کی سمت کو واقع ہے مکان نہایت بزرگ و متبرک ہے شہر کے ہنود بخلوص دل یہان اکثر جبین سائی کرتے ہیں بسنت کے روز بڑا بھاری میلہ اس جگہ ہوتا ہے چڑھاوے کی آمدنی بھی بخوبی ہوتی ہے مکان سمادہ پختہ چونہ گچ بنا ہوا ہے پہلے ایک مربع پختہ چبوترہ ہے جسپر مکان سمادہ ہے سمادہ کے مکان کی

حوالہ نمبر:5

تاریخ لاہور کا انسائیکلوپیڈیا

تحقیقاتِ چشتی

تالیف

نور احمد چشتی

۳۵۹

سکھوں کی عملداری میں بسنت کا میلہ

آمدم بر سر مطلب کہ بروز بسنت بعہد عملداری سکھاں مہاراجہ صاحب بہادر کا یہ معمول تھا کہ تمام امیرو رئیس و افواج کو حکم ہو جاتا تھا کہ وردی و لباس بسنتی پہنیں، اور زین و ہودج و سیناے اسلحہ وغیرہ تمام بسنتی ہوا کرتے اور ہر شخص معنی فاقع اللو نھا تسرالناظرین سے لذت گیر ہوا کرتا تھا۔ اور یہاں مزار پر انوار حضرت خیمہ ھاے بسنتی ا۔ستادہ (ص ۶۰) ہوا کرتے تھے۔ اور در تعد سے تا مزار پر انوار دو رستہ فوج در لباس بسنتی مجلس جم جاتی تھی۔ اور ماسوا اس کے ہر امیرو رئیس خود مع ملازمین بسنتی پوش ہوا کرتے تھے اور رعایاے شہر زن و مرد میں سے ایسا کوئی کمبخت ہوتا ہو گا کہ پارچہ بسنتی اس روز نہ پہنتا ہو گا۔

جب اس طرح فوج جم جاتی تو بوقت دو بجے سواری مہاراجہ کی قلعہ سے نکلتی اور تمام مخلوقات جو منتظر دیدار سرکار ہوتے تھے، جب آواز توپہا و شلک سلامی سنتے تو مشاش بشاش ہو کر خندہ زن ہوتے۔ جب مہاراجہ کی سواری میلہ میں آتی تو یہ لطف ہوتا تھا کہ اب اس کی یاد میں چشم آب ہو آتی تھی۔ کم از کم ساٹھ ستر ھاتھی اور چار پانچ سو گھوڑا بازین ھاے مرصع و تمام ڈیرہ سواران چار یاری اور دو رجمنٹ پیدل اردل جلو میں ہوا کرتی تھیں اور شاہ سے گدا تک ہر ایک شخص بسنتی پوش ہوا کرتا تھا، بلکہ در و دیوار بھی بسنتی نظر پڑتے تھے۔ اور مہاراج مٹھیاں روپیوں کی بھر بھر کر تصدق کرتے اور پھینکتے ہوئے تا مزار پر انوار حضرت حسین کے پہنچتے اور بعدہ سواری سے اتر، پاپیادہ ہو، بارادت تمام، مع روساے عالی مقام، پیر برہنہ، خانقاہ کے دروازے سے اندر جاتے تھے۔ پھر شلک سلامی کی ہوتی تھی۔ پھر گیارہ سو روپیہ نقد مع دو شالہ بسنتی خانقاہ پر نذر چڑھا کر، جبیں سائی کے بعد رونق افزاے خیمہ شاہی ہوتے تھے۔ وہاں عرش سے فرش تک تمام بسنتی بسنتی اشیاء موجود و حاضر ہوتی تھیں۔ پھر حسب معمول خود، یعنی ایک بروز دسہرہ اور دوسر بروز بسنت، تمام ملازمین سے نذریں علی قدر مراتب لے کر با خلعت ھاے فاخرہ ہر ایک کو سرفرازی بخشتے تھے۔ اور پھر عطر، عنبر و گلال بطور شروع جشن ہولی اڑتا تھا۔ پھر لالہ رخان حوروش، یعنی تمام طوائفان لاہور و امرتسر جو حسب الحکم اس روز وہاں حاضر ہوا کرتی تھیں، مجراے شاہانہ ادا کر کے نوبت بنوبت بتقریب تفریح طبع سرکار ناچ میں مشغول ہو کر بانعامات

حوالہ نمبر:6
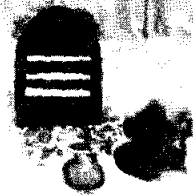
۱۷۴

"ہندوستان کی رسم کے مطابق انہوں نے گھوڑوں کو سجایا اور میرے سامنے پیش
جب میں گھوڑوں کا معائنہ کر چکا تو وہ ہاتھی لائے۔"

اورنگ زیب کے جانشینوں کے عہد میں یہ تہوار دربار میں منایا جاتا تھا۔ جہاندار شاہ
کے عہدِ حکومت میں لنکا شہر کے مشابہ ایک لکڑی کا ڈھانچہ تیار کیا جاتا اور اس میں آگ لگا
جاتی تھی۔ اور بادشاہ اِس منظر کے دیکھنے سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ
ظفر کے دربار میں اس جشن کا منظر اِن الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

"دسہرے کے دن بادشاہ نے دربار کیا، پہلے ایک نیل کنٹھ بادشاہ کے سامنے
اڑایا گیا۔ باز خانے کا داروغہ باز اور شکرے لے کر آیا۔ بادشاہ نے باز لے کر
ہاتھ پر بٹھایا۔ دربار برخاست ہوا۔ تیسرے پہر اصطبل خاص کا داروغہ
خاص گھوڑوں کو مہندی سے رنگ رنگا رنگ برنگ کی نقاشی کر۔
سونے روپے کے ساز لگا کر جھروکوں کے نیچے لایا۔ بادشاہ نے گھوڑوں
کا ملاحظہ کیا۔ داروغہ کو انعام دے کر رخصت کیا۔"

امراء اور عام مسلمان بھی نیل کنٹھ دیکھنے میدانوں میں شہر کے باہر جایا کرتے تھے

بسنت:۔ کہا جاتا ہے کہ بہار راگ اور میلہ بسنت نے بھی حضرت امیر خسروؒ
کو متاثر کیا تھا۔ مگر تاریخ کی کتابوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسلمانوں میں اس تہوار کی
کس طرح سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں خواجہ حسن نظامی مرحوم نے یہ روایت بیان کی
"ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین
کے حقیقی بھانجے مولانا تقی الدین نوح نے جو خواجہ رفیع الدین ہارون کے چھوٹے
عنفوان شباب میں بعارضہ دق اس دار ناپائیدار سے انتقال فرمایا۔ حضرت
المشائخ کو اس لائق ہونہار، سعید اور صالح بھانجے سے بہت الفت تھی۔ جب

زادے کے انتقال سے ایسا صدمہ پہونچا کہ عالم سکوت طاری ہوگیا۔ یہاں تک
کہ آپ نے اس صدمہ کی وجہ سے تبسم نہیں فرمایا۔ حضرت کے یاران جاں نثار
تمام دہلی میں ان صاحبزادے کے انتقال سے عام ماتم اور کہرام تھا۔ خصوصاً حضرت
علاوہ اپنے رنج و صدمہ کے حضرت سلطان المشائخ کے اس صدمے اور
وجہ سے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہمہ وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی
حضرت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا ہو جائے۔ ایک دن اپنے چند دوستوں
جنگل میں سیر کرتے پھرتے تھے بہار کے خوشنما موسم کا آغاز تھا۔ ہرے بھرے کھیتوں
کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے پہاڑ پر کالکا جی کا مندر تھا۔
ہی کا دن تھا۔ مندر پر میلہ لگا ہوا تھا اور مورت پر سرسوں کے پھول کا مینہ
تا۔ اور اکثر لوگ عجیب خود رفتگی سے ترانے الاپ رہے تھے۔ جب امیر خسرو نے
اس خوشنما منظر کا ان کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی وقت فارسی اور
چند شعر موزوں کئے جنگل سے سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا
اس طرز سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ اس ہیئت سے ان اشعار
ہوئے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت سلطان المشائخ اس وقت حسب دستور مرحوم خواہر زادہ کے مزار پر
گئے تھے اور قریب ہی ایک برجی میں جلوہ افروز تھے۔ آپ خسرو کی یہ مستانہ ادا دیکھ
ہندی کے اشعار اس رنگ میں سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ کامل چھ مہینے کے
آیا۔ اس دن سے آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکا جی کے مندر
تو دہلی اور قرب و جوار کے خاص اور ممتاز صوفی چند قوالوں کو لے کر پھول
تھ میں لئے اشعار پڑھواتے ہوئے اول اس مقام پر جہاں حضرت سلطان

حوالہ نمبر: 7

ڈاکٹر انجم رحمانی

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
اردو بازار لاہور

426

سوانگ: یہ نیم مذہبی قسم کا کھیل ہوتا ہے جس میں نامور سورماؤں کی زندگی کی جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ اس میں آدھا کام اداکاری کا ہوتا ہے اور آدھا گانے بجانے کا۔ رزمیے گانے والے پیشے ور اداکار ہولی' بسنت اور دسہرہ جیسے تہواروں پر سوانگ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر ایسے سوانگ کا مقصد کسی ہیرو کے واقعات کو پیش کرکے لوگوں میں مذہبی جذبات کو ابھارنا ہوتا ہے۔ اکثر سوانگ پورن بھگت 'گوپی چند اور حقیقت رائے کے بارے میں ہوتے ہیں۔ پورن بھگت سیالکوٹ کے راجا سلواہن کا بیٹا تھا جو پہلی صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اس کی تفصیل ہم پنجاب میں قصے کے عنوان کے تحت اس کتاب میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔

گوپی چند سوانگ بھرتری ہری کے بھانجے کے بارے میں ہے جو مشہور راجا اور شاعر تھا اور عام طور پر اسے وکرمادت کا بھائی سمجھا جاتا ہے۔ گوپی چند کی مینیکا اسے تخت و تاج چھوڑ کر ایک سادھو سنت کی زندگی اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک دنیا کی خوشیاں ناپائیدار ہیں۔

حقیقت رائے بھی سیالکوٹ کے باغ مل کا بیٹا تھا۔ جسے بسنت پنچمی کے دن صرف بارہ برس کی عمر میں مار ڈالا گیا۔ اس کی سادھی لاہور میں بنائی گئی تھی اور تقسیم ملک کے وقت وہاں ہر سال بسنت پنچمی کے موقعے پر بڑا زبردست میلا لگتا تھا۔

ان تینوں سوانگوں کے ذریعے پنجاب کے لوگوں کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ پورن بھگت کی طرح حرص و ہوا کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا چاہیے 'گوپی چند کی طرح دنیا کے ناپائیدار عیش و آرام کو ٹھکرا دینا چاہیے اور حقیقت رائے کی طرح تعصب اور ناانصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جان دینا بہتر ہے۔

یہ تینوں سوانگ قیام پاکستان کے بعد مغربی پنجاب سے ناپید ہو چکے ہیں۔

قیام پاکستان سے پہلے پنجاب میں عوامی میلوں سے موقعوں پر بعض اوقات نل دمنیتی اور روپ بسنت کے سوانگ بھی پیش کئے جاتے تھے۔ میلوں میں حصے لینے والی ناٹک منڈلیوں میں یہ ایک اہم منڈلی تھی۔ اس کا مقصد بھی عوام میں مذہبی روح پیدا کرنا تھا۔ یہ سوانگ لوک دھنوں پر مبنی گانے بجانے سے بھرپور ہوتے ہیں۔ پیش کئے جانے والے لوک گیت' منظوم مکالموں' اداکاری اور ناچ کا بہترین مظاہرہ ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں کو راوی کا دلچسپ انداز ایک مضبوط یونٹ بنا دیتا ہے۔

نوٹنکی: نوٹنکی سوانگ ہی کی ایک شکل ہے۔ نوٹنکی کا نام پنجاب کی ایک خوبصورت راج کماری کی روایتی داستان سے جڑا ہوا ہے جو پھول سنگھ نام کے ایک نوجوان کی محبت میں مبتلا تھی۔ اس کی زندگی کے ڈرامے کو جب بار بار لوگوں کو دکھایا گیا تو وہ بے حد مقبول ہوگیا۔ بعد ازاں

458

اور اپنے اپنے حوصلے کے مطابق لمبے سے لمبے جھونٹے بھرتے ہیں۔ خوش طبع لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بولیاں گاتے پھرتے ہیں اور الغوزے اور ونجلی کی دھنوں پر لوک ناچ بھی ہوتے ہیں۔ طاقت ور لوگ کشتی کے اکھاڑوں میں اپنا زور آزماتے ہیں۔ بینی پکڑنے کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ گویا پنجاب کا میلا رنگ اور خوشی کا ایک ایسا نظارہ ہے جس سے وہاں کی انسانی برادری کی خوش پوشی اور خوش باشی کا پوری طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

یہ میلے صوبے کی تہذیبی زندگی سے جڑے ہوتے ہیں۔ ان میلوں سے پنجاب کی زندگی کے کئی پہلوؤں کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ میلے موسمی' اساطیری' بھگتوں اور پیروں فقیروں کے تہواروں سے جڑے ہوئے ہیں۔ موسمی میلوں میں بسنت پنچمی سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ بہار کی آمد کا مژدہ ہوتا ہے۔ اس سمیں پورے دیہی پنجاب میں سرسوں کے کھیت ایک عجیب و غریب اور دلفریب سماں پیش کرتے ہیں۔

بسنت کا میلہ پنجاب کے بہت سے دیہات میں لگتا ہے۔ موسم کی مناسبت سے لوگ بھارتی پنجاب میں عموماً" پیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے بسنت کا اصل میلہ لاہور میں مادھو لال حسین کے مزار پر لگتا تھا۔ ہندو یہ میلہ باغبان پورہ میں واقع حقیقت رائے کی سادھی کے پاس مناتے تھے۔ حقیقت رائے نوعمری میں مغلوں کے زمانے میں مارا گیا تھا۔ سکھ یہ میلہ گوردوارہ گورومانگھٹ صاحب میں جمع ہو کر مناتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت کے زمانے میں یہ میلہ شالامار باغ میں منایا جاتا تھا۔ مہاراجہ قلعہ لاہور سے شاندار جلوس لے کر خود اس میں شرکت کرتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی لاہور میں بسنت کا تہوار بڑی دھوم دھام سے 29 پھاگن کو منایا جاتا ہے جبکہ سردی کا موسم رخصت ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے اس تہوار کو بسنت پالا اڑنت' کہا جاتا ہے۔ اس تہوار کی آمد سے پہلے لاہور کے لوگ' بڑے زور و شور سے تیاری کرتے ہیں۔ مختلف مقامات پر پتنگوں کی خصوصی دکانیں کھل جاتی ہیں اور گلی گلی پتنگوں کے اڑانے کے لئے ڈوریں تیار کی جاتی ہیں۔ پتنگیں کئی اقسام' اشکال اور سائز کی تیار کی جاتی ہیں۔ ڈوروں کے بھی کئی معیار ہوتے ہیں۔ بسنت کی رات آتے ہی لاہور کے لوگ بالخصوص قدیم لاہور کے لوگ چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں جہاں فلڈ لائٹوں کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔ ڈیک پر نوجوان گانوں کے کیسٹ لگاتے اور ناچتے اچھلتے ہیں۔ رات بھر بو کاٹا اور قہقہے کی آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ لڑکے بالے چھاتے اٹھائے ہوئے پتنگوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور بعض اوقات چھتوں سے گر کر موت کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے موجودہ

حوالہ نمبر:8

فرہنگِ آصفیہ

جلد اوّل و دوم

الف تا ژ

مرتبہ

مولوی سیّد احمد دہلوی

اردو سائنس بورڈ
299 - اپر مال ، لاہور

حوالہ نمبر:9

یادگارِ چشتی

(لاہور کی ذاتیں اور اُن کی رسومات)

نور احمد چشتی

BOOK HOME

مانتے ہیں اور بہ صدقِ دل وہاں حاضر ہوتے ہیں اور حضرت کی مزار کی مٹی کو خاک شفا جانتے ہیں اور ایک بسنتی [12] مٹی کی گچی بھی وہاں سے لاتے ہیں اور یہ مشہور ہے کہ جب کسی کو پیٹ میں درد ہو، وہ اس میں پانی پیئے تو درد دور ہو جاتی [13] ہے۔ فقط

اور شہر لاہور میں ہر سال برس برس کے بعد حضرات گردنواح شہر لاہور کا عرس ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ابوالمعالی صاحب، [14] حضرت پاک صاحب [15] اور حضرت میاں میر صاحب، [16] حضرت موج دریا بخاری صاحب، حضرت شاہ چراغ صاحب، [17] حضرت صدر دیوان صاحب، حضرت ایشاں صاحب، [18] حضرت پیر مکی صاحب، [19] حضرت مادھو لعل حسین، [20] الغرض الغرض یہ عرس ہوتے ہیں۔ ان میں یہ دستور فاتحہ ہوتا ہے اور دوسرے دن مجلس اور عرس کا حال میں نے ابتدا میں لکھا ہے۔

بھڈے پیرے:

پھر بھڈے پیریوں کو قدم ہوتے ہیں۔ یہ میلہ سخی سرور سلطان کے نام کا ہوتا ہے۔ اس کا ذکر بھی میں شیخوں کے حال میں لکھ آیا ہوں۔

بسنت کا حال:

بعد ازاں تیسری جمادی الثانی کو بسنت کا میلہ ہوتا ہے۔ یہ میلہ تمام ہندوستان میں تو کئی دن ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہجہان آباد میں میں نے دیکھا کہ ایک ہفتہ بھر ہر روز بسنت ہوتی تھی۔ کبھی کسی بزرگ کی قبر پر اور کبھی کسی حضرت کی درگاہ پر۔ مگر شہر لاہور میں حضرت مادھو لعل حسین صاحب کی مزار پر جو متصل شہلا باغ کے، بیرون دروازہ دہلی کے واقع، بہت دھوم دھام سے ہوتا ہے اور خلقت بہ کثرت، ہندو مسلمان جاتے ہیں، اکثر بسنتی رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔

اور سب میلوں میں یہ دستور ہے کہ ہر قسم کی شیرینی اور مٹی کے کھلونے بکتے ہیں۔ خصوصاً دہلی دروازے کے باہر متصل سرائے سلطان [21] ٹھیکہ دار اس میلے کا زور ہوتا ہے۔ آگے ہندو مسلمان نالائق بھی اس میلے پر جاتے تھے اور اب چند سال سے [22] بہ سبب تعصب ہندوؤں نے بسنت کا میلہ حقیقت رائے کی سمادھ پر مقرر کیا ہے اور وہاں بھی جاتے ہیں اور وہ سمادھ بھی پاس

حوالہ نمبر:10

لاہور کا ثقافتی تہوار

نذیر احمد چوہدری

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

بسنت ☆ لاہور کا ثقافتی تہوار

الناس کو مالی امداد اور آسودگی فراہم کرنے کے بھی کئی پہلو اجاگر ہوتے تھے۔ بعض مغل شہنشاہوں اور شہزادوں نے پتنگ بازی کے شوق کو مقبول عام بنانے کے لئے یہ اختراع وضع کی کہ خالص سونے کے چھلے ہوا کر پتنگوں کے ساتھ باندھ دیئے جاتے تھے۔ سنہری چھلوں کی خاطر عوام میں پتنگ لوٹنے کا رواج عام ہوا جوان کے لئے نہ صرف منفعت بخش سودا تھا بلکہ ایسا کرنے سے وہ غیر شعوری طور پر پتنگ بازی کی جانب راغب ہونے لگے۔ اس طرح پتنگ بازی کا مشغلہ غیر شعوری طور پر ایک نفع بخش اور نفذ آور کھیل کا روپ دھار گیا جس کا آج کل کی پتنگ بازی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس کھیل سے عوام الناس کو نہ صرف شاہی خیرات نصیب ہوتی بلکہ بادشاہوں اور شہزادوں کو بھی رعایا پروری کی بنا پر شہرت دوام حاصل ہوتی۔

لاہور میں بسنت کو بطور تہوار منانے کا آغاز ۱۷۴۷ء میں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق ایک ہندو لڑکے حقیقت رائے دھرمی کی سمادھی پر ہندوؤں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہن کر حاضری دی۔ حقیقت رائے نامی نوجوان کا تعلق سیالکوٹ سے تھا وہ اس وقت کے رواج کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتا تھا۔ مکتب میں کسی بات پر اس کا جھگڑا کسی مسلمان طالب علم سے ہو گیا جس کے بعد حقیقت رائے نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ چنانچہ یہ مقدمہ لاہور کے ایک قاضی کی عدالت پیش ہوا۔ دوران مقدمہ ہندوؤں نے یہ موقف پیش کیا کہ مسلمان طالب علم نے پہلے ان کے اوتاروں کو برا بھلا کہا تھا مگر وہ قاضی کو دلائل سے قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قاضی نے حقیقت رائے کو سزائے موت سنادی۔ چنانچہ ۱۷۴۷ء میں اسے لاہور میں پھانسی دے دی گئی۔ جس جگہ اسے پھانسی دی گئی وہ گھوڑے شاہ (باغبانپورہ) کے علاقہ میں تھی۔ ہندوؤں کے نزدیک حقیقت رائے نے ہندو دھرم اور اوتاروں کے لئے قربانی دی تھی اس لئے انہوں نے اس دن گستاخ رسول کی یاد منانے کے لئے رنگ بکھیرا۔ پتنگ بازی کی اور اس کا نام بسنت رکھا۔ بعد میں اس مقام پر ایک مندر تعمیر کیا گیا جہاں اس کی موت کے دن ہندو مرد زرد رنگ کی پگڑیاں اور عورتیں زرد رنگ کی ساڑھیاں پہن کر حاضری دیتیں اور منتیں مانتی تھیں۔

پتنگ بازی کا عمل اب صرف بسنت کے دن پر ہی موقوف نہیں رہا۔ اب یہ کئی دنوں بلکہ ہفتوں تک جاری رہتا ہے۔ پتنگ کے شائقین نے اب اسے اس اعتبار سے تقسیم کر لیا ہے کہ اگر ایک ہفتے لاہور میں پتنگ بازی ہو گی تو دوسرے ہفتے قصور میں اور تیسرے یا چوتھے ہفتے گوجرانوالہ یا سیالکوٹ میں بسنت کا تہوار منایا جائے گا۔ اس طرح جب

حوالہ نمبر: 11

مغل شہنشاہوں کے شب و روز

مصنف
سید صباح الدین عبد الرحمٰن

نگارشات ○ میاں چیمبرز ○ 3- ٹمپل روڈ ○ لاہور
فون : 042-6305241-6362412 فیکس : 042-6312968
E-mail:nigarshat@yahoo.com

مغل شہنشاہوں کے شب و روز
343

بادشاہ نامہ میں ہے:-

"روز دوشنبہ سلخ شوال کہ روز تیراز ماہ تیر بود جشن گلابی انعقاد یافت' بادشاہ زاد ہائے کامگار و یمین الدولہ صراحی ہائے مرصع و دیگر نوینان نامدار صراحیہائے میناکار و زریں و سیمیں و پُر از گلاب و عرق فتنہ و عرق بہار از نظر مقدس گزرانید۔"

(ج ا ص 204)

یہ عید گلابی اورنگزیب بھی مناتا تھا' شہزادے اور امراء مرصع اور میناکار صراحیوں میں گلاب بھر کر اس پر چھڑکا کرتے تھے۔ (عالمگیر نامہ ص 623)

شاہانہ جشن کے فوائد ان جشنوں میں جن تکلفات کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ وہ اسلامی نقطہ نظر سے سراسر اسراف اور لہو ولعب ہے' اور یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا اس قسم کے مسرفانہ اور عیاشانہ تکلفات سے سلطنت کی بنیاد کھوکھلی نہیں ہوگئی؟ اس پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں' لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان سے ایک شاندار تہذیب و تمدن کا ضرور اندازہ ہوتا ہے' حکمراں طبقہ تو اس نمود و نمائش کے ذریعہ سے اپنی شان و شوکت کا اظہار کرتا تھا' لیکن اس زینت و آرائش میں جو حسن سلیقہ ظاہر ہوتا وہ اس ملک کی تہذیبی اور تمدنی کا ضرور عنصر بنتا چلا گیا' اور آج بھی کسی موقع پر جو شان و شوکت اور نفاست و لطافت دکھائی دیتی ہے' وہ اسی تمدن کی یادگار ہے' پھر ایسے موقع پر جو تحائف پیش کیے جاتے' جو فرش و فروش بچھائے جاتے' زینت و آرائش کے جو سامان کیے جاتے' حتیٰ کہ آتش بازی کے جو تماشے دکھائے جاتے' ان سے صنعت و حرفت کو بڑا فروغ ہوتا' ان میں بعض صنعتیں اب بھی موجود ہیں' جو اس دور کی تہذیبی تابناکی کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔

ہندوؤں کے تہوار ہندوؤں کے تہوار مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں' اور ہر مہینہ میں ان کے یہاں مختلف قسم کے تہوار ہیں' مسلمانوں کے دور حکومت میں وہ اپنے ہر ایک تہوار کو قدیم شاندار روایات کے ساتھ مناتے رہے' اس طویل زمانے میں صرف ایک مثال فرخ سیر کے عہد میں ملتی ہے کہ احمد آباد میں ہولی کے موقع پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد ہوگیا۔[24] ورنہ عام طور سے مسلمان حکمرانوں اور مسلمان عوام کی طرف سے ہندوؤں کے تہواروں کے منانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوئی' بلکہ البیرونی اور ابوالفضل نے ان تہواروں کی لکھ کر اپنی رواداری اور فراخدلی کا ثبوت دیا ہے' مسلمان عوام کا میل جول ہندوؤں کے ساتھ بڑھتا گیا' تو وہ بعض تہواروں میں دلچسپی بھی لینے لگے' ذیل میں ہم صرف خاص خاص تہواروں کو کرنے پر اکتفا کریں گے' جن کی تفصیل بیان کرتے وقت زیادہ تر مسلمانوں کی تصانیف سے استفادہ کیا گیا ہے' تاکہ یہ بھی اندازہ ہو کہ انہوں نے ان تہواروں کو کن نظروں سے دیکھا ہے۔

مغل شہنشاہوں کے شب و روز
347

خوری کو دے دیئے' رتھ بان بیلوں کو بنا سنوار پاؤں میں مہندی لگا رنگ برنگ کی اس پر نقاشی کر کے سینگوں پر قلعی اور سنگوٹیاں' ہاتھوں پر کار چوبی پٹے اور سنگھ گلوں میں گھنگرو' اوپر کار چوبی باناتی جھولیں پڑی ہوائیں چھم چھم کرتے چلے آتے ہیں' بیلوں کو دکھا انعام واکرام سے اپنے کار خانوں میں آئے' دیوالی ہو چکی۔"

دیوالی کو عام مسلمانوں نے جن نظروں سے دیکھا' اس کا اندازہ نظیر اکبر آبادی کی نظموں سے ہو گا' ان ہی کا یہ بند ہے۔

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

بسنت ابو الفضل نے لکھا ہے کہ ماگھ کے مہینے میں' تیسری' چوتھی' پانچویں اور ساتویں تاریخ کو چار تہوار مناتے ہیں' پانچویں تاریخ کو بسنت کا بڑا جشن ہوتا ہے' اس روز رنگ اور عبیر ایک دوسرے پر چھڑکے جاتے ہیں' نغمہ و سرود کی مجلس منعقد کرتے ہیں' یہ ہندوستان میں موسم بہار کی ابتداء ہے' قدیم زمانے میں یہ تہوار ساون بھادوں میں منایا جاتا تھا۔

مسلمانوں نے بھی بسنت منانا شروع کیا' اور اس کی ابتداء اس طرح بتائی جاتی ہے' کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے محبوب بھانجے مولانا تقی الدین نوح کا عین شباب میں انتقال ہو گیا' حضرت خواجہ کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا' چھ مہینے تک مہر سکوت طاری رہی' اس کی وجہ سے امیر خسرو بھی مغموم رہتے تھے' اور برابر اس فکر میں رہتے کس کس طرح مرشد کا غم غلط ہو' بسنت کا میلہ تھا' ہندو دہلی میں کالکاجی کے مندر پر سرسوں کے پھول چڑھا رہے تھے' اور مست ہو کر ترانے الاپ رہے تھے' خسرو بھی اس کو دیکھ کر بے خود ہو گئے' فارسی اور ہندی کے چند اشعار اسی وقت موزوں کیے' سرسوں کے پھول توڑے' اور پگڑی کو کج کر کے مستانہ شان پیدا کی' اور جھومتے جھامتے اشعار پڑھتے' حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جو اس وقت اپنے بھانجے کے مزار پر تھے' امیر خسرو کی مستانہ ادا دیکھ کر اور ان کے اشعار سن کر تبسم فرمایا' تو امیر خسرو کا کام بن گیا' اس روز سے دہلی میں جب ہندو کالکاجی کے مندر پر جاتے تو دہلی اور قرب و جوار کے صوفیہ قوالوں کو لے کر سرسوں کے پھول ہاتھ میں لیے اشعار پڑھواتے ہوئے مولانا تقی الدین کے مزار پر جاتے ہیں' وہاں سے حضرت خواجہ کے مزار اقدس پر آتے ہیں' ان اشعار میں ایک شعر یہ ہے۔

حوالہ نمبر: 12

سوہنا شہر لاہور

طاہر لاہوری

سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

97

رنگ رلیاں منانا' عیش و عشرت' جواء شراب ہندوؤں میں پن سمجھ کر سب کچھ ہوتا۔ ہولی پر رنگ کی پچکاریاں ایک دوسرے پر ماری جاتیں' ہندو اکثر مسلمان دوستوں پر بھی رنگ ڈال دیتے لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا تھا' ایسے موقعوں پر ایک دوسرے کو برداشت کیا جاتا تھا۔

دوسہرے پر راون وغیرہ کے بڑے بڑے کاغذی بت بنا کر منٹو پارک میں رکھے جاتے' بانس اور کاغذ کے کئی سروں والے ان دیوہیکل ڈھانچوں میں بارود کے گولے بھی باندھے ہوتے چاروں طرف بڑا اژدھام ہوتا' ہندو مسلمان سب تماشائی ہوتے پولیس اور رضا کاروں کا کافی انتظام ہوتا۔ ایک عورت کا سوانگ ہوتا' اس کا ناک کٹا ہوتا تھا اس کو شو منکاں کہتے تھے یہ راون کی بہن کا سوانگ ہوتا پھر ان کو آگ لگائی جاتی۔ راون اور لنکا کا سارا شہر جلایا جاتا' شعلے بلند ہوتے' پٹاخے چلتے بارود کے دھماکے ہوتے' بڑا شور و غل ہوتا' دو تین دن اس میلے پر بھی لگ جاتے۔ بھدر کال کا میلہ بھی ہوتا مگر اس کا شہر میں چرچا کم ہوتا' یہ میلہ زیادہ تر دریا پر لگتا' اس پر وہ گہما گہمی نہیں ہوتی تھی جو دیوالی' ہولی یا دوسہرے پر ہوتی تھی۔

ایک خوبصورت میلہ بسنت پر ہوتا' سارے شہر میں میلے کا سماں ہوتا۔ یہ تہوار موسمی اور بہاریہ تصور ہوتا تھا' اس میں صرف ہندو ہی نہیں مسلمان بھی شریک ہوتے' یہ میلہ پتنگ بازوں کی بسنت کہلاتا تھا۔ بازاروں' گلی کوچوں' میدانوں' پارکوں' باغوں میں اور کوٹھوں پر گڈیاں اور پتنگیں اڑانے والوں کا ہجوم ہوتا۔ منٹوپارک میں پتنگ بازی کے بڑے مقابلے ہوتے۔ حضوری باغ' راوی کے کنارے' مقبرہ جہانگیر' بارہ دری کامران' نورجہاں کا مقبرہ سب پر پتنگ بازوں کا قبضہ ہوتا مگر بسنت کا اصل روائتی میلہ سیکڑوں برسوں سے پیر گھوڑے شاہ' راجہ کے باغ اور مندر دودھ ماتا کے قریب کوٹ خواجہ سعید کے کھیتوں میں لگتا اس جگہ کو حقیقت رائے کے نام سے موسوم کیا جاتا' بسنت کا اصل میلہ اس جگہ لگتا تھا۔ شہر سے پتنگ بازوں کا ہجوم اس علاقے میں امنڈ آتا تھا' پہلے یہاں میدان ہوتا تھا' پھر کھیت بن گئے قبرستان بن گئے۔

اسی میلے پر بھی مٹھائیاں اور تحفے تحائف کے تبادلے ہوتے' عیش و نشاط کی

حوالہ نمبر:13

لاہور جب جوان تھا!

پران نوائل

ترجمہ: نعیم احسن

نگارشات

24-مزنگ روڈ ○ لاہور فون:0092-42-7354205/7322892
E-mail:nigarshat@yahoo.com nigarshat@wol.net.pk

68

مکر سنکرانتی پر منعقد ہوتا تھا۔ جو عام طور پر 13 جنوری کو آتا تھا۔ اس دن ہم بڑے پیمانے پر پتنگ بازی کرتے تھے۔ بسنت کی پوری طرح ریہرسل عام طور پر فروری کے پہلے ہفتے میں کی جاتی تھی۔ لاہور میں بسنت سردی کے خاتمے اور بہار کی آمد کا اشارہ سمجھی جاتی تھی۔

بسنت کے دن سرگرمیوں کا آغاز طلوع سحر سے بہت پہلے ہو جاتا جب خصوصی طور پر بنائے گئے ڈبہ پتنگوں میں موم بتیاں جلا کر انہیں لالٹین کی طرح اڑایا جاتا۔ آسمان پر ادھر ادھر حرکت کرتی ہوئی روشنیاں بڑا دلفریب نظارہ پیش کرتی تھیں اور لاہور میں پتنگ بازی کی عظیم رسم افتتاح کی علامت تھیں جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی تھی۔ چھتیں اور منڈیریں ہر عمر کے مردوں' عورتوں اور بچوں سے بھر جاتی تھیں۔ بسنت پر پیلی پگڑیاں باندھنے کی رسم بھی تھی۔ جوان اور بوڑھی عورتیں بھی سروں پر پیلے رنگ کی چنیاں اوڑھتی تھیں' اس سے تہوار کی دلکشی میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ طلوع سحر کے ساتھ ہی فضا مختلف رنگوں' شکلوں' سائزوں اور ساختوں کی ہزاروں پتنگوں سے بھر جاتی تھی۔ شہر کی فضا بو کاٹا کے فاتحانہ نعروں سے گونج اٹھتی اور بگل بجا کر پتنگوں کی لڑائی کی فتوحات کا اعلان کیا جاتا تھا۔ لاہور کے دوسرے علاقوں کے علاوہ سید مٹھا' واچھو والی' بھٹی احاطہ' سوترمنڈی اور رنگ محل میں پتنگ بازی کے مشہور کھلاڑی موجود تھے۔ وہ ایک دوسرے کو پیچے کی دعوت دیتے تھے۔ بسنت کا تہوار بیرون شہر بھی' حقیقت رائے کی سمادھ کے پاس منایا جاتا تھا جہاں اردگرد کے دیہات سے آنے والے شائقین شہر کے باسیوں کے ساتھ مل کر پتنگ بازی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ منٹو پارک میں بھی نامور کھلاڑی آکر پتنگ بازی کرتے تھے۔ جیتنے والوں کی مہارت اور ہوا کے رخ کو سمجھنے' پتنگ اڑانے کے دوران ان کے حملہ کرنے اور اپنی پتنگ کی حفاظت کرنے کی صلاحیت کے علاوہ داؤ پیچ کے فن میں کاملیت کی تعریف کی جاتی تھی۔

ایک ناخوش گوار واقعہ جو بسنت کے روز پیش آیا میرے ذہن پر انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ شیبا ہمارے محلّے کا نوجوان کھلاڑی تھا۔ دراز قد' خوبصورت اور ہمیشہ مسکرانے والا' وہ مجھ سے دو سال بڑا تھا۔ بھرپور حس مزاح رکھنے والا یہ نوجوان پڑوس کے لڑکوں میں اپنے دوستانہ انداز کی وجہ سے بہت مقبول تھا۔ وہ ایک تیز اور ماہر پتنگ باز تھا اور اس دن پتنگ بازی کے کئی مقابلوں کو جیت چکا تھا۔ ہوا بالکل موافق تھی اور تہوار کی رونقیں اپنے عروج

69

پر تھیں۔ جب سورج غروب ہونے لگا تو شیبا کو ساتھ والے محلّہ کے ایک کھلاڑی، دوارکا نے مقابلے کی دعوت دے ڈالی۔ شیبا نے فوراً اپنی سرخ پتنگ اڑائی اور مقابلے کے لیے تیار ہوگیا۔ ہم میں سے کئی لڑکوں نے پورے انہماک کے ساتھ مقابلہ دیکھنے کے لیے اپنی پتنگیں واپس کھینچ لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے مخالف کو ہوٹنگ کا نشانہ بناتے ہوئے شیبا کی حوصلہ افزائی شروع کر دی۔ شیبا نے اپنے مخالف کی پتنگ کو الجھایا اور پیچا شروع ہوگیا۔ مناسب تعداد میں اس نے ڈور دینی شروع کی اور لڑتی ہوئی پتنگیں اوپر اور دور ہوتی گئیں۔ مقابلہ شام تک جاری رہا۔ ہم سانس روکے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور شیبا کی کامیابی کے لیے دعائیں کررہے تھے۔ پتنگیں دور افق پر حرکت کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے دھبوں کی مانند دکھائی دے رہی تھیں۔ شیبا ایک چھت پر کھڑا تھا جس کے گرد ایک نیچی دیوار کی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب اسے پتنگ کی نقل و حرکت دیکھنے میں دقت ہونے لگی تو پردے کی دیوار پر چڑھ گیا۔ یہ دیوار دو فٹ سے بھی کم چوڑی تھی اور اس پر کھڑے ہوکر نیچے سڑک پر جھانکا جا سکتا تھا۔ جلد ہی دوارکا کی پتنگ کٹ گئی اور ہوا میں ہچکولے کھانے لگی۔ شیبا جیت چکا تھا۔ وہ چلایا "بو کاٹا" اور جوش میں آگے کی جانب جھکا، لڑکھڑایا اور پچاس فٹ نیچے سڑک پر سر کے بل گر پڑا۔ پڑوس میں لوگ چھتوں پر سے چلائے، "شیبا چھت سے گر پڑا ہے۔" یہ پورے محلے کے لیے بہت بڑا سانحہ تھا۔ تمام سرگرمیاں رک گئیں اور لوگ چھتوں سے نیچے دوڑے۔

شیبا زمین پر مردہ حالت میں پڑا تھا۔ یہ اس کی مختصر زندگی کا آخری بوکاٹا تھا۔

حوالہ نمبر: 14

إنَّ مِنَ الشِّعْرِ الحِكْمَةُ وَإنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

کلیاتِ نظیر

یعنی

نظیر اکبرآبادی کی بہت سی نادر و نایاب اور غیر مطبوعہ اُردو فارسی غزلیات اور نظموں پر مشتمل جملہ انواع واقسام کا سب سے بڑا اور قیمتی مجموعہ

جسکو

مولانا عبدالباری آسی نے مرتب و مدوّن کیا اور ہند کے مشہور انشاء پرداز مولانا عبدالمومن فاروقی نے اس پر ایک زبردست ادبی اور تاریخی مقدمہ وتبصرہ لکھ کر پایۂ تکمیل کو پہونچایا

مکتبۂ شعر و ادب ○ سمن آباد ○ لاہور

تقریباتِ اہلِ ہنود

(۲۶)

بسنت

جب[1] پھول کا سرسوں کے ہوا آ کے کھلنا | اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنا | اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ[2] جو
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

اک پھول کا گیندوں کے منگا یار سے بجرا[3] | دس من کا لیا ہار گندھا ہاتھ کا گج
جب آنکھ سے سورج[4] کی ڈھلا رات کا کجرا | جا یار سے مل کر یہ کہا اے مرے رجرا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار | اور یار کے کجرے بھی تھے اک دھون[5] کی مقدا
آنکھوں میں نشے مے کے اُبلتے تھے دھوں دھار | جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

پگڑی میں ہماری تھے جو گیندوں کے کئی پیڑ | ہر جھوک میں تکتی تھی بسنتوں کے تئیں ا
ساقی نے بھی مٹکے سے دیا منہ کے تئیں بھیڑ | ہر بات میں ہوتی تھی اس بات کی [7] چھی
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

پھر راگ بسنتی کا ہوا آن کے کھٹکا | دھونسے کے برابر وہ لگا باجنے مر
دل کھیت میں سرسوں کے ہر اک پھول سے اٹکا | ہر بات میں ہوتا تھا اس بات کا لڑ
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ | سب کھیت اٹھا سر کے اوپر رکھ لیا جھنجاڑ
محبوب رنگیلوں کی بھی اک ساتھ لگی جھاڑ[8] | ہر جھاڑ سے سرسوں کے بھی کہتی تھی ابھی جھا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج آ ہا ہا! | دل شاد ہیں ادنیٰ و فقیر آج ا ہا ہا
بلبل کی نکلتی ہے صفیر[9] آج ا ہا ہا! | کہتا یہی پھرتا ہے نظیر آج ا ہا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

حوالہ نمبر:15

PANJAB UNDER THE LATER MUGHALS

DR B.S. NIJJAR

E

954.545025

N 692

The 'Basant-dā-Melā' was held in January at the tomb of Haqiqat Rāi, near the village of Kot Khwaja Said.[1] The fair was held at the time of the blooming of the mustard seed, and its frequenters wore yellow turbans or put mustard seed in their turbans. This fair commemorated for the martyrdom of Haqiqat Rai, the only son of Bāgh Mal Puri a Khatri of Siālkot. While still a boy, his Muslim teacher uttered a few disgraceful words about Hindu gods. Young Haqiqat Rāi probably born in 1719 A. D., could not tolerate it and he retaliated by making deprecatory a few remarks against Prophet Muhammad and Bibi Fatima Thus a mock trial was held at Lahore, and the order of death was pronounced against him. He was then chained to a pillar and caned till he fell as a martyr in 1734 A. D. The whole of the non-Muslim population of the Panjab wept over the martyrdom of Haqiqat Rāi.[2]

The 'Charāghān dā Melā' was held at the Shālāmār Gardens on the last Saturday and Sunday in March. Originally it was a religious pilgrimage of the tomb of Mādho Lāl Hussain at Bāghbānpurā but as the fair became more popular it was shifted to the gardens. All classes of males and females attended the fair, but not the better classes of women A horse fair was held during the three days preceding the great fair day.

The 'Rām Thamman' fair was held in the village of Thamman near Kasūr, in April on the Hindu festival of Baisākhi. The railway had shorn most of its former importance as people preferred to visit the more important Baisākhi festival at Amritsar.

Id-ul-Zuhā was held on the tenth of Arabic month of Zil Hij in commemoration of Abraham's sacrifice of his son Ismail. A cow, a sheep, a goat or a camel was sacrificed by all good Muslims who ate some, and gave away the rest in alms. Id-ul-Fitr was the festival of breaking the fast that had been observed throughout the month of Rāmzān. Prayers were offered at the Shāhi and other mosques in the morning ; and in the evening a fair was held at the tomb of Shāh Abdul Mu'āli outside the Mochi Gate.

حوالہ نمبر:16

تمام حقوق محفوظ ہیں
(یہ کتاب ممالک متحدہ و متوسط و پنجاب کے کتب خانجات کے واسطے منظور کی گئی ہے)

ہندو تیوہاروں کی اصلیت
اور
اُن کی جغرافیائی کیفیت

جس میں
منطقہ حارہ کی حالت ، ریگستان کی صورت ، بکرمی فصلی - ہجری اور عیسوی سنوں کی ضرورت ، دُعا کی قوت اور خدا کی عجیب حکمت کا اظہار کرکے ہندوؤں کا زبردست اخلاقی اور تمدنی انتظام بیان کیا گیا ہے - اور ہندو تیوہاروں کی ضرورت کو ثابت کیا گیا ہے +

مصنفہ
منشی رام پرشاد صاحب بی - اے
ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول گونڈہ
مصنف ابتدائی تعلیم کی رام کہانی - نئی تعلیم کا آئینہ سو برس کی زندگی - وہ جاندار جو نظر نہیں آتے وغیرہ وغیرہ

بار دوم ... ۲۰۰۰ جلد - تعداد صفحات ۱۲۸ قسم کاغذ ۲۴ پونڈ - تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت فی جلد ۹ر

۲۴

۱۰۱

غذا ہے۔ اور حصول تندرستی کا خاص ذریعہ۔ اس زمانہ میں فصل میں کلیاں نکلنے کی سری گنیش آسے نمہ یعنی ابتداء ہو کر سنکٹ یعنی فکر و پریشانی کم ہو جاتی ہے +

کرُتیج یا کرُچوتھ اس کے دس پندرہ روز بعد عورتیں ایک چھوٹا سا تیوہار کرُتیج یا کرُچوتھ کا مناتی ہیں اور اس روز بھی وہ سہاگ والی دیوی یعنی "گوریا پاربتی جی کی پرستش کر کے اپنے خاوندوں کی زندگی اور آسائش کی دعا کرتی ہیں۔ اور خاندان کی بزرگ عورتوں کے واسطے لذیذ میٹھا کھانا بنا کر پیش کرتی ہیں +

بسنت پنچمی اب فصل کے بار آور ہونے کا اطمینان ہو چلا اور کچھ عرصہ میں کلیاں کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں تبدیل ہونے لگی اس لئے کاشتکار کے دل میں قدرتی اُمنگ اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔ وہ زرد پھولوں کو خوش خوش گھر لاکر بیوی بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب مل بسنت کا تیوہار مناتے ہیں اور زرد پھول اپنے اپنے کانوں میں بطور زیور لگاتے ہیں۔ اور خدا سے دعا

۱۰۲

کرتے ہیں کہ اے پرماتما ہماری محنت کا پھل عطا کر اور پھولے ہوئے درختوں میں پھل پیدا کر ۔

جانکی جنم مگر ابھی فصل کی تیاری میں ایک ماہ کا عرصہ باقی ہے اور پھاگن کی برشا بعض اوقات اوگن ہو جاتی ہے ۔یعنی اس مہینہ میں اولے پڑ کر پکی کھیتی کو تباہ کر دیتے ہیں۔عین اتی پریشانی کے زمانہ میں جانکی جی کا جنم ہوا ہے ۔ جو نہایت اطمینان کا باعث ہے اور ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ تکلیف اور مصیبت کے وقت ہمیشہ خدا کی طرف سے مدد ہو کر ہم کو شانتی ملتی ہے جانکی جی کا جنم قحط کے زمانہ میں ہوا تھا اور اُس وقت راجہ جنک کو خود ہل چلانا پڑا تھا ۔چنانچہ اُن کی پیدائش نے صرف قحط ہی کو دور نہیں کیا بلکہ راون کی ہلاکت کا باعث ہو کر تمام مخلوق کو عذاب سے نجات بخشی۔لہذا یہ "جانکی جنم اوتسو" گھبرائے ہوئے کاشتکار کے واسطے تسکین اور شانتی کا خاص باعث ہے ۔

مہاشیوراتری اب کھیتوں میں اناج کی ابتدا ہوتی ہے ۔ اور کاشتکار کو اطمینان ہونے

حوالہ نمبر: 17

ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت

منشی رام پرشاد ماتھر
(بی اے علیگ)

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

دلانے کے واسطے وید ویاس جی نے جاعشٹر کو یہ برت بتایا۔

چونکہ گنیش جی تمام سنکٹ یا تکالیف دور کرنے والے خیال کئے جاتے ہیں اسلئے اس گنیش چوتھ کو سنکٹ چوتھ یا سکٹ چوتھ کہتے ہیں۔

گرتیج یا گرچوتھ

اس کے دس پندرہ روز بعد عورتیں ایک چھوٹا سا تیوہار مناتی ہیں جس کو گرتیج یا گرچوتھ کہتے ہیں۔

شنکرانت کے گنگا اشنان کے بعد ہریالی تیج یا کرواچوتھ کی طرح یہ عورتوں کا پہلا تیوہار ہے اس روز بھی وہ سہاگ والی دیوی یعنی گوریا پاربتی جی کی پرستش کر کے اپنے خاوندوں کی زندگی اور آسایش کی دعا کرتی ہیں اور خاندان کی بزرگ عورتوں کے واسطے لذیذ میٹھا کھانا بنا کر پیش کرتی ہیں۔ بعض قوموں میں اس روز چیونٹیوں کو چگا بھی ڈالا جاتا ہے۔

بسنت پنچمی

اب فصل کے بارآور ہونے کا اطمینان ہو چلا اور کچھ عرصہ میں کلیاں کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں تبدیل ہونے لگی۔ اس لیے کاشتکار کے دل میں قدرتی اُمنگ اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔ وہ ماگھ کے آخر ہفتہ میں بسنت پنچمی کے روز زرد پھولوں کو خوش خوش گھر لاکر بی بی بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب مل کر بسنت کا تیوہار مناتے ہیں اور زرد پھول اپنے اپنے کانوں میں بطور زیور لگا کر خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اے پرماتما ہماری محنت کا پھل عطا کر اور پھولے ہوئے درختوں میں پھل پیدا کر۔

بسنت پنچمی کو وشنو بھگوان کا پوجن ہوتا ہے اور بعض اقوام آم کا بور

(۴۰) بسنت پنچمی۔ یہ تہوار گجرات، پنجاب، ممالک متحدہ اور راجپوتانہ وغیرہ میں زیادہ منایا جاتا ہے۔ دکھن میں بہت کم ہوتا ہے وہاں اس روز امیر لوگ گاتے بجاتے ہیں اور مندروں میں اتسو ہوتا ہے۔ راجپوتانہ میں بسنتی کپڑے پہنے جاتے ہیں بنگالہ میں اسکو سری پنچمی کہتے ہیں اور سرستی کی پوجا کرتے ہیں قلم دوات نہیں چھوتے اگر لکھنے کا ضروری کام آجاتا ہے تو تختی پر کھریا سے لکھتے ہیں شام کو بچے قسم قسم کے کھیل کھیلتے ہیں اور دوسرے دن سرستی کی مورتی کسی تالاب میں ڈال دیتے ہیں۔ اس روز کہیں کہیں کامدیو اور اسکی بی بی رتی کی پوجا ہوتی ہے اضلاع اودھ اور قریب وجوار میں اس روز نوا کی رسم ہوتی ہے یعنی لوگ نیا اناج استعمال کرتے ہیں اوکھلا اور مندک پور (جی آئی۔ پی ریلوے) میں بسنت کا میلہ تین دن تک ہوتا ہے۔ ممالک یورپ وغیرہ میں بھی موسم بہار کا اسی قسم کا ابتدائی تہوار ہوتا ہے۔

(۴۱) سورج سنتمی یا سبھا سنکرسنتمی۔ یہ تہوار بسنت کے بعد بنگالہ دراوڑ اور مہاراشٹر میں ہوتا ہے ممالک متحدہ راجپوتانہ گجرات اور پنجاب میں نہیں ہوتا۔ دراوڑ میں رات کے وقت گاتے بجاتے اور روشنی کرتے ہیں۔ اس روز کتاب کو ہاتھ لگانا بھی مہاپاپ سمجھا جاتا ہے۔ بنگالہ میں کاتک پورنماشی اور ہر اتوار کو سورج کی پوجا ہوتی ہے۔ مہاراشٹر اور کرناٹک میں ہلدی تقسیم کی جاتی ہے پنجاب وغیرہ میں سورج کا برت مقررہ دن پر ڈیڑھ ہزار برس سے برابر ہوتا ہے جس کا پتہ پتھر کے کتبوں سے لگا ہے۔ کسی زمانہ میں ملتان سے پنجم تک سورج کے مندر ... تھے۔ چینی سیاح ہیان تسانگ نے

حوالہ نمبر:18

سنڌ شيوا منڊلي ڪونڙي جي ڪتابي سلسلي
جو ڪتاب نمبر 123

هندن جا مڪيه ڏڻ

سينگاريندڙ:

وينجهراج سيتل

ڊسمبر 1935

پيسا	4.00
ساليانو چندو	35-00
ڏن سالن لاء	100.00

ڇپائيندڙ:

سندر شيوا منڊلي

ڪونڙي، ضلع دادو سنڌ فون 50439

حوالہ نمبر: 19

لاہور میں بسنت ہندو مذہب کی عظیم کامیابی ہے، بال ٹھاکرے

بھارت اور پاکستان کے درمیان ثقافتی ہم آہنگی کے لیے پاکستانی عوام کے اقدامات قابل تعریف ہیں

مسلمان تقسیم ہند سے قبل بھارتی ثقافت اپنا لیتے تو لاکھوں افراد کی جان بچائی جا سکتی تھی

ممبئی (کے پی آئی) انتہا پسند ہندو تنظیم شیو سینا کے سربراہ بال ٹھاکرے نے لاہور میں بسنت تہوار کے انعقاد کو ہندو مذہب کی بڑی کامیابی اور ہلاک ہونے والے نوجوانوں کو اپنا شہید قرار دیا ہے۔ ایک بھارتی اخبار کے مطابق بال ٹھاکرے نے دونوں ممالک کے درمیان ثقافتی

بقیہ نمبر 14 نمبر 5 پر ملاحظہ فرمائیں

نام نہاد مسلمانوں کیلئے ڈوب مرنے کا مقام

پاکستان میں "بسنت" کا انعقاد ہندو مذہب کی کامیابی ہے بال ٹھاکرے

مرنے والے ہمارے شہید ہیں، مسلمان ہندو ثقافت اپنا لیتے تو لاکھوں زندگیاں بچ جاتیں، خبث باطن

بمبئی (خبر نگار خصوصی) ہندو انتہا پسند تنظیم شیو سینا کے سربراہ بال ٹھاکرے نے لاہور میں بسنت کے تہوار کے سرکاری سطح پر انعقاد کو ہندو مذہب کی بڑی کامیابی قرار دیتے ہوئے چھتوں سے گر کر ہلاک ہونے والے نوجوانوں کو اپنا شہید قرار دیا ہے۔ بال ٹھاکرے نے پاکستانی حکام اور عوام کے اس مضحکہ خیز اقدام کو سراہتے ہوئے کہا کہ سرحد کے اس پار بسنت کے تہوار کا انعقاد ہندو مذہب کی بڑی کامیابی ہے، بال ٹھاکرے نے مزید کہا کہ اگر مسلمان ہندوستان کی غیر ضروری تقسیم سے قبل ہی ہندو ثقافت کو اپنا لیتے تو لاکھوں افراد کی زندگیاں بچائی جا سکتی تھیں، بال ٹھاکرے نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ جہادی تنظیموں کو کنٹرول کرے جو ہندوستانی ثقافت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔

خونیں بسنت نے 14 افراد کی جان لے لی 400 سے زائد زخمی سینکڑوں گرفتار

بادشاہی مسجد پر محوِ پرواز دولڑا کا طیارے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے مسلمانوں کو ان پانچ کھیلوں کی ترغیب دی تھی (1) دوڑنا (2) تیرنا (3) گھڑ سواری (4) نشانہ بازی اور (5) کشتی (مارشل آرٹ) ان کھیلوں سے جسمانی فائدہ بھی ہے، ذہنی بھی اور عسکری بھی۔ لیکن ہم ان میں ساری دنیا سے پیچھے ہیں اور ان کے بجائے پتنگ بازی اور بسنت کی ہلڑ بازی جیسے فضول اور بے ہودہ کھیلوں میں ملوث ہو گئے ہیں۔ ہم نے دین کی دعوت کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لاج تو رکھی ہی نہ تھی، دنیاوی کھیلوں میں بھی ان کی ہدایات کو نہیں اپنایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکامات پر عمل کی توفیق دے جن میں ہمارا اپنا بھی فائدہ ہے اور دین کا بھی۔
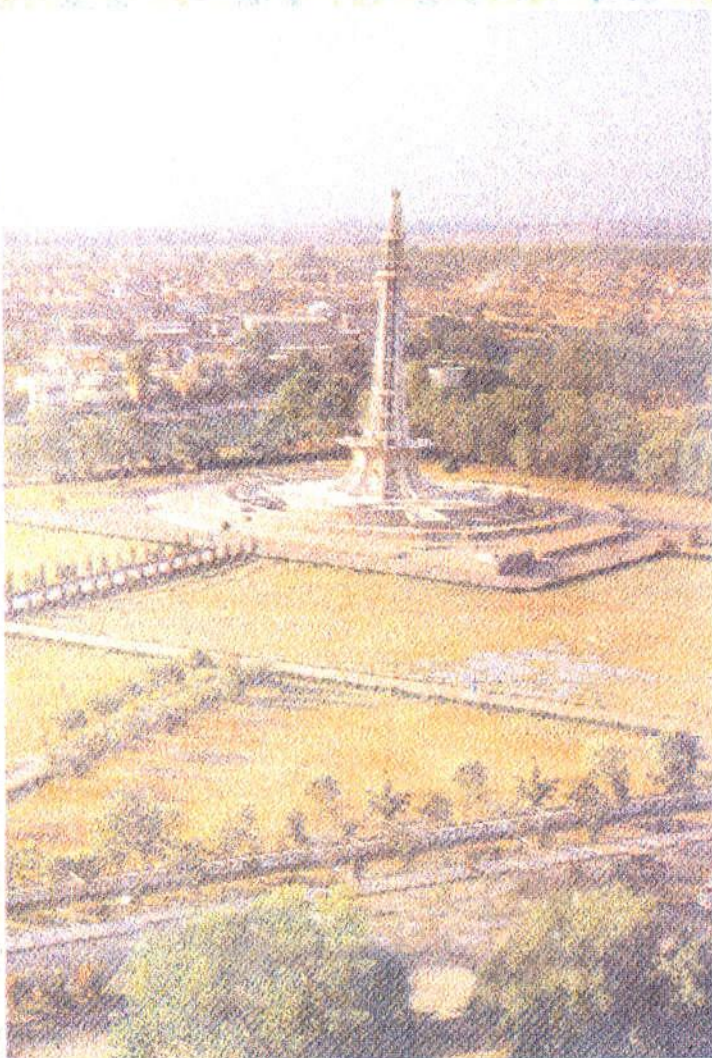
مینار پاکستان جہاں چند مسلمانوں نے جمع ہو کر عہد کیا تھا کہ ہندوؤں سے الگ ملک مل جائے تو اس میں شریعت کا نظام نافذ کریں گے لیکن اب ہر سال اسی جگہ ہندوانہ تہذیب کی یادگار جوش وخروش سے منائی جاتی ہے اور کسی کو خیال بھی نہیں گذرتا کہ اللہ سے کیا ہوا وعدہ توڑنے کی پاداش میں پاکستان جیسی نعمت ہم سے چھن بھی سکتی ہے۔

لاہور: کوٹ خواجہ سعید میں ہندو گستاخ لڑکے حقیقت رائے کی یادگار۔ اس لڑکے کو جب توہینِ رسالت کے جرم میں پھانسی لگی تو ہندوؤں نے اس کی یاد میں یہ عمارت اور باغ تعمیر کیا اور بسنت کا میلہ آئندہ سے یہاں منانا شروع کیا۔ افسوس کہ ناواقفیت اور جہالت کے مارے مسلمان بے خبری میں اس گناہِ عظیم کی یاد منانے میں شریک ہوجاتے ہیں۔ ان تصاویر کو دیکھ لینے کے بعد تو ہر مسلمان کو بسنت سے سچی توبہ کر لینی چاہیے۔

اقبال پارک لاہور: لاہور وہ شہر ہے جہاں غازی علم دین جیسے شیر جوان نے ناموسِ رسالت ﷺ پر قربان ہو کے لازوال تاریخ رقم کی تھی۔ آج اسی شہر میں غازی کے وارث پتنگی دیوانے بنے دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آ رہے ہیں۔
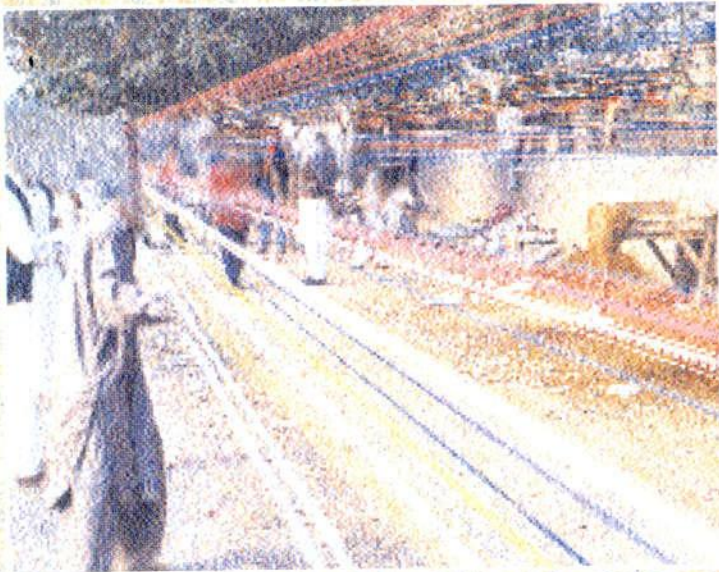
جب سے امت پتنگوں اور ڈوروں میں الجھ کے رہ گئی اس دن سے حقیقت خرافات میں کھوگئی۔ مقاصدِ زندگی پر لغویات غالب آ گئیں اور منزل ہم سے دور ہوتی چلی گئی۔
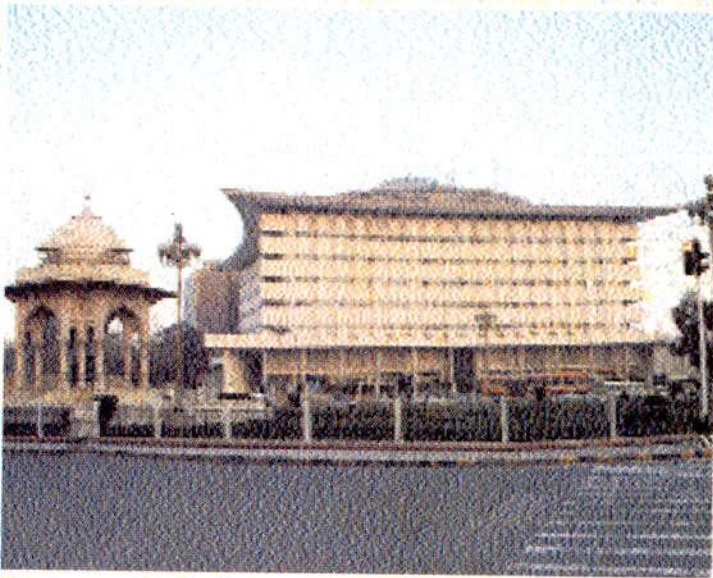
اوپر واپڈا ہاؤس لاہور کی عمارت جہاں سرکاری بسنت کی بڑی تقریب بڑے اہتمام سے منعقد ہوتی ہے۔ نیچے ایک مکان کی چھت جس پر منچلے لاہوری ہلے گلے میں مصروف ہیں۔ سرکاری سرپرستی اور عوام کی آزادروی نے آج قرضوں اور جہالت میں ڈوبی قوم کو بسنت جیسے تہواروں اور پتنگ بازی جیسے کھیلوں میں لگا کر نمونۂ عبرت بنادیا ہے۔
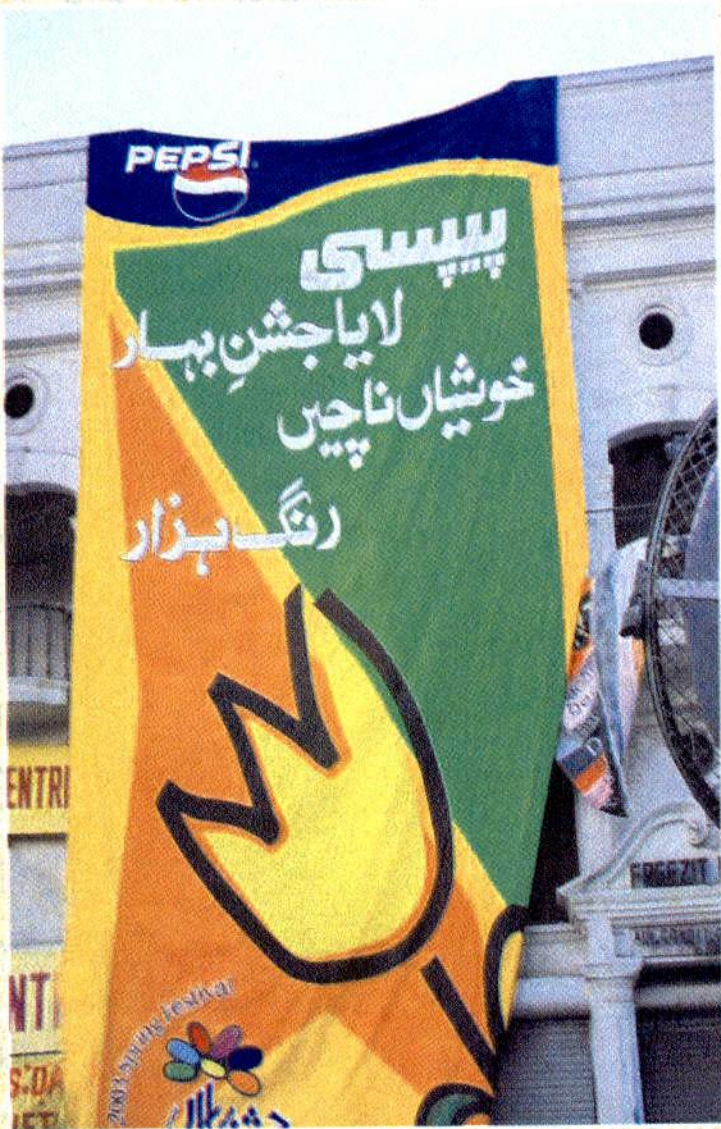
ملٹی نیشنل کمپنیاں ہمارے معاشرے میں فضول کھیلوں اور موج مستیوں کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ اس سے ان کو دہرا فائدہ ہوتا ہے۔ خطیر منافع بھی ملتے ہیں اور ہماری اخلاقیات اور روایات کی تباہی کا مشن بھی پورا ہوتا ہے۔

جس امت کو دنیا بھر کی رہنمائی اور خیر خواہی کے لئے بھیجا گیا تھا، اس کی گلیاں گمراہ کن بینروں سے اور درخت کاغذی پتنگوں سے اٹے ہوئے ہیں۔ اس صورتحال میں ہر امتی کی ذمہ داری ہے کہ امت مسلمہ کو خرافات سے بچانے اور اپنا مقصد زندگی پہچاننے کی دعوت دے اور نتیجے سے بے پرواہ ہو کر مسلسل دیتا رہے۔